كُلَّ یَومٍ ہو فی شان کے معنی سمجھو
ہر نفس میں نئی امکان کی دنیا سمجھو

دورِ نو

گویا جہان آبادی

نگاہِ اویسؒ

انتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذات سے جس کی ہے وابستہ یقیں ہستی
اسمِ ذات اس کا ہے منقوشِ نگینِ ہستی

بنتِ ناصیر سا
گویا

نذر

بحضور ساقیٔ تسنیم و کوثر

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى السَّاقِيِّ لِلنَّاسِ مِنَ الْحَوْضِ

چند آنسو تری سرکار میں دیوانے کے
ہوں جو مقبول تو دریا ترے میخانے کے

ادنیٰ اُمّتی
ضامن نقوی

پیش لفظ

(۱)

اُدھر سحر کا ستارہ، اِدھر شگفتہ کلی
وہ پیشِ لفظِ سحر ہے، یہ پیشِ لفظِ بہار

مگر فسانۂ ہستی کا ترجمان ہے کون؟
نگاہ چاروں طرف اُٹھ کے رہ گئی کئی بار

یہ پوچھا ارض و سما نے بڑی ہی حیرت سے
بتا تو اے دلِ رسوائے خلق و مشتِ غبار

تری کتاب میں ہیں کون سے وہ لعل جڑے
کہ جن کے سامنے ماہ و نجوم ہیں بے کار؟

حجاب اُٹھ گئے کون و مکاں کی نظروں سے
ہوئی کچھ ایسی یکایک تجلیٔ اسرار

کہا فلک نے، زمیں دیکھ واقعہ ہی کیا
کہ ذرّہ ذرّہ ہے تیرا خزینۂ انوار؟

جھلک رہا ہی اک آنسو کنارے پلکوں کے
گدائے نور کی ہے چشم و نظر سحر بکنار

یہ پیشِ لفظ ہی گویا کتابِ ہستی کا
نہیں ہے اہلِ نظر کو مطالعہ دشوار

"قیاس کن زِ گلستانِ من بہارِ مرا"
نثارِ قطرۂ مژگاں، بجومِ صبحِ ہزار

دَورِ جام

(مقدمۂ کتاب)

(۲)

دَورِ نو میں سرِ عنواں ہیں کچھ اسرارِ طلب
ذیل میں جن کے ہیں میخانوں کی بنیادیں بھی

کارِ صد جامِ شکستہ ہی کیا کرتی ہیں
کبھی اشکوں میں کسی دور کی کچھ یادیں بھی

رازِ درپردہ سے واقف ہے خدا ہی گویا
ہر حدِ درد میں خاموش ہیں فریادیں بھی [1]

(۳)

جمال و سوز میں ہے نسبتِ دل و جاں ہی
جو حُسن سوز نہ پیدا کرے حجابِ نظر

نشانِ جذبِ مسلسل ہے، رو ستاروں کی
دل اسیرِ جمود اور عشق !! توبہ کر

بغیرِ جذبۂ ساقی، گناہ دورِ جام
ستارے بھول کے منزل کو اپنی خاک بسر

[1] دورِ نو کی یہ وہ سب سے پہلی نظم ہے جو ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء مطابق ۲ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ کو معرضِ تحریر میں آئی تھی۔

(۴)

اپنا مقصود نہیں خود کوئی تحریر مری

کوئی کھینچے نہ مری فکر سے تصویر مری

خود نما ہوتا نہیں نقش سرِ راہ کہیں

ختمِ منزل مرے عالم میں ہے تفسیر مری

میں ہوں اور قافلۂ حال کا دردِ پیہم

یادِ اسلاف ہے اور حسرتِ دلگیر مری

عالمِ نقش و نگارش سے قدم آگے بڑھا

قربِ معنیٰ سے نظر آتی تعمیر مری

شمعِ منزل جو ترے سینے میں روشن ہو جائے

میں یہ سمجھوں کہ منوّر ہوئی تقدیر مری

(۵)

جوڑ لے درد سے بکھرے ہوئے ٹکڑے دل کے

دل میں جو کچھ بھی ہے پھر صاف نظر آئے گا

سامنے موج کے ساحل کا مرقّع رکھ دے

خود سفینہ غمِ ہستی کا ابھر آئے گا

(۶)

دَورِ نَو ہر نفس نَو میں ہے اندازہ کر
پھر بدل آپ کو پھر عہدِ کہن تازہ کر

نقش پا کس کے سرِ عرش ہیں پھر غور سے دیکھ
پھر بلند اپنی حقیقت کا خود آوازہ کر

منتظر پھر ہے چمن تیری بہارِ دل کا !
جمع پھر ہستیٔ برباد کا شیرازہ کر

ہم نہ کہتے تھے کہ دنیا ہے تری گردِ قدم
سر چڑھایا ہے تو برداشت بھی خمیازہ کر

حائل راہ اگر کوہ ہے اے دل تو کیا۔
کام ہمت کا ہے پیدا کوئی دروازہ کر

دَورِ نَو میں نہ بھلا دل سے کبھی دَورِ قدیم
بادہ کش حال میں پھر یادِ سلف تازہ کر

(۷)

زیست جس کی ترا اندازِ نظر ہے ساقی
آج میخوار وہ ممنونِ دگر ہے ساقی !

اشک طوفانوں کے اندر سے گزرتا جائے
دامنِ موج تنک آبی سے تر ہے ساقی

جب تجھے دیکھ لیا آنکھ سے موتی برسے — بے گہر آج وہی موجِ گہر ہے ساقی
مسکراتا ہوا پھر شامِ الم میں نظر آ — تیری اِک موجِ تبسم میں سحر ہے ساقی
ماہ و انجم ہوں تری گردِ قدم پر قرباں
دیدۂ تر بھی سرِ راہگزر ہے ساقی

(۸)

ذرّے پامالِ جہاں دوریٔ خورشید سے ہیں — تیرے ہی آئینے محروم تری دید سے ہیں
پھر نئی شان سے سینوں میں بہا دیں دریا — فیض وابستہ جو ایماں کی تجدید سے ہیں
پھر کشش تیری سفینوں کو ابھارے ساقی
ذرّے تو نجمِ فلک تیری ہی تائید سے ہیں

(۹)

پھر سے کہتا ہوں میں افسانۂ ہستی ہر بار — تاکہ ہر سانس کے اوّل میں ترا نام آ جائے
شرطِ میخانہ نہیں دورِ مسلسل کے لئے — اپنے آغاز کے نزدیک جہاں جام آ جائے

(۱۰)

ہر ستارے کے دل میں نقشِ خرام — منزلِ سوز و جستجو کے مقام
پائے ساقی پہ ہے جبینِ جہاں — جھک کے کرتا ہے آفتاب سلام
اُس طرف چاند، اِس طرف تارے — اللہ اللہ پرچمِ اسلام

(۱۱)

جہاں اشک و تبسم ایک ہوں خاموش ہو جانا
نشانِ قربِ ساحل موج کا آغوش ہو جانا

اشارے چشمِ ساقی کے جو دورِ جام بن جائیں
تو حدِ آگہی ہو پھر ترا مینوش ہو جانا

ہمیشہ ظرف اپنا محرمِ ساقی چھپاتے ہیں
بہت آسان ورنہ میکدہ بردوش ہو جانا

رہی ہیں طور پر کچھ دیکھ ہی کر آپ بند آنکھیں
یقیناً ہوش کی ہے انتہا بیہوش ہو جانا

ہے دورِ میکدہ روزِ ازل ہی سے نیا ہر دم۔
حجابِ رازِ ہے میکش، ترا مدہوش ہو جانا

(۱۲)

سرور سوز میں باقی، نہ سوز شبنم میں
غمِ اپنا بھول گئے ہم بجائے کس غم میں

نظر نظر میں تعارف، نظر نظر میں حجاب
تمہیں بتاؤ یہ حُسن و حجاب ہیں ہم میں

ہے چشمِ اہلِ یقیں میں تو سارا عالم گُم
نگاہِ منکرِ دیدار گم ہے عالم میں

تری جبیں کا فلک نقشِ پائے ساقی ہے
بھلا نہ مرکزِ میخانہ دورِ پیہم میں

جو بن گئی ہے کوئی موجِ بیقرار، آنسو
عجب سکون کا عالم ہے چشمِ پُرنم میں

تھی جس کے سامنے گم ہی جبیں فرشتوں کی
بلندیاں تھیں وہ کس کی نگاہِ آدم میں!

بہر نفس جنھیں قربان ہونا آتا ہے
حیات آتی نہیں انکی موت کے دم میں

ہے طالب شراب کہن میکدہ نیا — ساقی سے مانگ جام بھی راز آشنا نیا

شان جدید میں ہی ہمیشہ قدیم دور — فکریں نئی، ادب ہو نیا، فلسفہ نیا

رنگِ شفق ہی سرخیٔ افسانہ حیات — ہے خون سے ستاروں کے رنگ فضا نیا

نیرنگیٔ جمال پہ قربان جائیے — ہر صبح ہے بہار نئی، گلکدہ نیا

اُس میکدے کا جام زمانہ ازل سے ہے — جس کا ہر ایک دور ہے صبح و مسا نیا

منظر کوئی ہو اُس کی نظر ہی ہے دیکھ کر — جو صاحب نظر ہی، سبق پائیگا نیا

اک روز آنکھ کھولی جو کلیوں نے صبح کو — آیا نہ کچھ سمجھ میں عجب رنگ تھا نیا

شاخیں شکستہ سر بہ زمیں، پھول خاک میں — کل تک جہاں بہار تھی، صحرا ملا نیا

کچھ بلبلوں کے پر ہیں تو کچھ ہیں گلوں کے داغ — کچھ تنکے آشیاں کے ہیں اک جھگھٹا نیا

دل نے کہا کہ اس میں ہے حیرت کی بات کیا — قدرت کا کوئی بھی تو نہیں فیصلہ نیا

اپنی طرف تو دیکھیں کہ ہم آج ہیں کہاں — منزل نہ کیوں نئی ہو جو ہو راستا نیا

کوتاہیٔ نظر ہے شکایت جہان کی — تبدیلیاں نئی ہیں نہ دورِ سما نیا

قانون وہ قدیم جزا و عمل کا ہے — جسکو سمجھ رہا ہے غمِ نارسا نیا

سمجھا نہیں تھا دل ابھی مفہومِ دورِ نو — شاید شریک دور ہوا تھا نیا نیا

پہونچا دیا اشارۂ ساقی نے راز کو — ہر دور کائنات کا ہے اقتضا نیا

مژدہ حیات تازہ کا دیتا ہے ہر نفس
ہمت نئی ہو، عزم نیا، حوصلہ نیا

وابستگی ہی شرط، وفائے قدیم سے
میکش سے کون لیتا ہی عہد وفا نیا

ساحل سے ہر تلاطم پیہم قریب ہے
یہ نکتۂ حیات ہے ساحل بنا نیا

پہونچی اب مقام پہ ساحل کی جستجو
طوفاں جہاں دیئے ہیں خود راستا نیا

ہیں نقش پائے ساقی میخانہ راہبر
یہ راہ ہی جدید نہ یہ ارتقا نیا

بدلے جو ساتھ دور کے وہ بادہ کش نہیں
جو دور کو بدل دے وہ ہی حوصلہ نیا

ارض و سما کے بیچ سے پردے اٹھا کے دیکھ
اہل نظر ہی منظر عالم میں کیا نیا؟

میکش کو اپنے ساقی باقی سے کام ہی
دیتا ہے جام روز غم منتہا نیا

معذرت

(۱۴)

جس کے نزدیک ہی تفریح و تفنّن ہی ادب
وہ مخاطب ہی نہیں سوز کے افسانوں کا

کھیل سمجھا ہے غم دل کو زمانہ اب تک
شمع کے چاروں طرف ڈھیر ہے پروانوں کا

(۱۵)

سحر حُسن ہی عالم میں نظر پیدا کر
سامنے نظروں کے مصروف تبسم ہی جمال

ورنہ یہ رنگ گلستاں میں کہاں سے آئے
ہے خدا جانے کہاں اہل چمن تیرا خیال

(۱۶)

آپ اپنا نہیں مقصود چمن میں کچھ بھی — شاخ غنچہ کے لئے غنچہ ہی گل کی خاطر
کہتی ہے دل سے یہ ترتیبِ بہارِ ہستی — غور سے دیکھ کہ ہر جزو ہی، کل کی خاطر

(۱۷)

ہے ادب حُسن و محبت کی وہ گم گشتہ کڑی — جس کے مل جانے سے مل جاتی ہی دنیا دل کی
غایت عشق ہے ہستی کا وہاں پہونچانا — شمع آتی ہے نظر دل، میں جہانِ دل کی

(۱۸)

ہے مگر خلق میں ہر دل کا جداگانہ جنوں — کچھ بہاروں سے الجھتے ہیں تو کچھ دامن سے
مگر اس بزم کچھ ایسے بھی دیوانے ہیں — ہے بہت آگے نظر جن کی حدِ گلشن سے

(۱۹)

اہل گلزار کرم سے مجھے فرمائیں معاف — سوزِ شبنم میں کہاں نغمۂ مستیِ بہار
لالہ و گل کے تماشوں میں وہ دل رہتے ہیں — کھیل ہی جن کی نظر میں ہے جہانِ گلزار

(۲۰)

الغرض دَور کا مقصود فقط دَور نہیں — میکشوں سے مجھے خاموشی سے کچھ کہنا ہی
پردۂ اشک مسلسل میں ہیں اسرار وہی
اہلِ اسرار کے سینوں میں جنھیں رہنا ہی

تشکّر

(۲۱)

حقیر ذرّے کہاں اور مہر و ماہ کہاں — بغیرِ نسبتِ پنہاں مگر سحر معلوم
ہے غرقِ بحرِ معانی ہر ایک قطرۂ اشک — ہر ایک موج کے دل میں ہے جلوۂ مقسوم
وہی تجلّی عیاں ہر شکستہ دل میں ہے — ہے محو جس میں ستاروں کا دیدۂ معصوم
تجلیات کے عالم میں عرشِ اعظم تک — جمال و جلوۂ تخلیق کی ہی ہر سو دھوم
گدائے در کی نظر ہی عطائے ساقی پر — ہے دل میں اتنا ہی اپنے وجود کا مفہوم
جھلک رہے ہیں ہر اک سمت معنیٔ لولاک — سنا ورود تو عالم نہ رہ سکا معدوم
ہے پائے رحمتِ دارین پر گدا کی جبیں — شکستہ دل میں امیدوں کا پھر نہ کیوں ہو ہجوم
ہے بے نیازِ دو عالم ہر اک گدائے در — حقیقتِ سر و ساماں ماسوا معلوم
بنا جو فرشِ کفِ پا چمک گئی قسمت — ہر ایک ذرّہ پابوس رشکِ ماہ و نجوم

تلاشِ خضر نہیں راہِ علم و عرفاں میں
نبی ہیں شہرِ معارف علی ہیں بابِ علوم[1]

صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم

(۲۲)

بہت ہی ہیں حق مجھ پہ ماں باپ[2] کے — الٰہی کرم سے انھیں بخش دے

[1] حدیث پاک انا مدینۃ العلم و علی بابہا [2] والد سید منشاء حسین صاحب مرحوم۔

مرے پیر ہر دو محمد کے شیر[1] نوازا جنھوں نے دعا سے مجھے
ہزاروں ہوں اُن پر تری رحمتیں سلام اُن کو پہونچا دے یارب مرے
کریم و شفیق و رفیق ادب تھے استاذ علامہ حافظ مرے[2]
الٰہی کرم سے انھیں تو نواز کہ مدّاح تھے تیرے محبوب کے
ہیں جتنے مرے مخلص و ہمسفر دعا مانگتا ہوں سبھی کے لئے
الٰہی ہو سب کو ہدایت عطا ترے قرب کی سب کو منزل ملے

ترا شکر ہے اصل بار خدا
اُسی شکر کے ہیں یہ سب راستے

دعا

(۲۳)

ساقی تری بخشش کا نیا طور سہی ہر دَور کے بعد ایک نیا دور سہی
دنیا نئی، میکش نئے، میخانہ نیا ایک محرمِ اسرار نیا اور سہی

(۲۴)

لاکھ آئیں نظر بھول بھلیوں کے جہاں بھولیں رہ آغاز نہ ہستی کے نشاں
وہ قرب کے انوار عطا ہوں ساقی ہر دل میں جو روشن کریں شمع عرفاں

[1] قطب زماں حضرت شاہ محمد شیر میاں قادری پیلی بھیتی اور پروانہ جمال محبوب احمد میاں شیر محمد نقشبندی شرقپوری
[2] حضرت علامہ قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی مرحوم صاحب ہفت دیوان نعت پاک۔

(۲۵)

دریا بھی کہیں پیاسوں سے کم ہوتا ہے
عالم سر یک موج کرم ہوتا ہے
کیوں مانگوں نہ تجھ سے وہ سمندر ساقی
ہر موج کا جو شریکِ غم ہوتا ہے

(۲۶)

جو ابر کرم صدف کو گوہر بخشے
گوہر کو جو بے طلب کے جوہر بخشے
رحمت سے نہیں بعید اس کی گویا
جس قطرے کو چاہے سو سمندر بخشے

(اشاراتِ معنیٰ)

فیضان

(۲۷)

دیکھا جو التفات سے پردہ اٹھا کے سامنے
محو نظر بنا لیا مجھ کو بلا کے سامنے
پلکوں کیے راستے سے ہی دل میں اجالا اشک کا
رکھ لی ہے انتظار میں شمع جلا کے سامنے
محوِ نگاہ جو بھی ہو آنکھ سے اپنی دیکھ لے
بابِ کرم کھلا ہوا دستِ دعا کے سامنے
اشک گدا کی وسعتیں دو نو جہاں سے کم نہیں
دامن و ظرف کا خیال اس کی عطا کے سامنے!!
بعدِ فنا مراد کو اپنی پہونچ ہی جائے گی
کب تک اڑیگی خاکِ دل بادِ صبا کے سامنے
دیر سے در کے سامنے چپ ہی گدا کھڑا ہوا
دیدۂ تر کی خامشی دل کی صدا کے سامنے
شبنم و آفتاب میں ایک کرن کا فاصلہ
تیری نگاہ ہے کہاں دل ہی خدا کے سامنے

ایک جمالِ بے نقاب، لاکھ نظر کی حسرتیں
جلوۂ آفتاب ہی روزِ جزا کے سامنے

شکرِ خدا کہ بیچ میں پردہ نہیں کوئی بھی
صرف خدا کی ذات ہی اشکِ گدا کے سامنے

منزلِ غم نہ پوچھیئے تڑپی جہاں بہت نظر
رکھ لیا نقش آرزو آپ مٹا کے سامنے

عالمِ کائنات اور کوئی وجود بھی ؟
خلق ذرا سی ہی نمی، بحرِ عطا کے سامنے

دیکھ کے چشمِ التفات دل کا عجیب حال ہے
گم ہے فنا کی آرزو حُسنِ بقا کے سامنے

رحمتِ کردگار سے آدمی کیوں ہو ناامید
ڈھونڈھ چمکتی بجلیاں غم کی گھٹا کے سامنے

اُن کے قدم پہ ہو جبیں راہِ طلب میں ہر جگہ
منزلِ مستقل ہے ایک چشمِ وفا کے سامنے

نقشِ حیات سے نظر معنیٔ مدعا نہ پوچھ
غور سے دیکھ کون ہے، حرفِ ندا کے سامنے

سعیٔ و تلاش ہی ہے کچھ ختم نہیں ہے سلسلہ
دیکھ ہے کوئی اور بھی دردو دوا کے سامنے

عالم و کائنات سے دل کو غرض نہیں کوئی
در گہِ بے نیاز ہے ناصیہ سا کے سامنے

جمالِ آغاز

حمد

(٢٨)

میں ہوں ترا گدا　　تو ہے مرا خدا
عالم ہے حمد کا
اللہ تری حمد

واللیل اذا سجیٰ　　والشمس والضحیٰ
احمد ہیں مصطفیٰ
اللہ تری حمد

پھولوں بھرا چمن　　تاروں کی انجمن
دونو ہیں اک کرن
اللہ تری حمد

ذرّے کو دل دیا　　اپنا بنا لیا
کتنا کرم کیا
اللہ تری حمد

سجدے میں ہے جبیں — جلووں کی سرزمیں
پردہ کوئی نہیں
اللہ تیری حمد

پاکر جھلک علوم — سب بن گئے نجوم
شانِ کرم کی دھوم
اللہ تیری حمد

گویا کا منتہا — ہے دائمی ثنا
کرتا رہے سدا
اللہ تیری حمد ۔

امرِ تخلیق

(۲۹)

حرفِ آغاز کی ہی شرحِ مسلسل جاری — کیفِ خاموش ازل سے ہے فضا میں طاری
کیا کہا، کس نے کہا، کس سے کہا، کیا معلوم — ہو کے معلوم رہے، رازِ نہاں، نا معلوم
پیہم اک راز کی تفسیر رواں ہے عالم — نہیں معلوم خدا جانے کہاں ہے عالم
جس کی اک موجِ تجلی کی ضیا عالم ہو — وہ اگر سامنے آجائے تو کیا عالم ہو

اللہ اللہ وہ اس بحرِ عطا کی وسعت
جس کا اک قطرہ نہیں ساری فضا کی وسعت

سارے عالم کی حقیقت ہے بس اتنی سی نمی
جیسے اک موج کہ جس سے کوئی بیشی نہ کمی

بے نقابی تو کہاں، سامنے آنا کیسا
روئے انوار سے پردہ تھا ذرا سا سرکا

ذرّہ ذرّہ ہی تپاں روزِ ازل سے اب تک
ہر حجر میں ہے شرر، سوزِ ازل سے اب تک

طور اِک شعلۂ خاموش لئے تھا دل میں
سوزِ دیدار کے سو جوش لئے تھا دل میں

وقت آیا تو کلیم آئے، نظارا چاہا
طور کے دل نے پردہ سے اشارا چاہا

شق ہوا طور ادھر، غش ہوئے اُس سمت کلیم
برقِ دیدار کی تھی چاروں طرف سے تعظیم

یہ حقیقت ہے نگاہوں میں کچھ افسانہ نہیں
مہر آباد ہی ہر ذرّہ ہے، ویرانہ نہیں

ذرّے ذرّے میں ہے اک پورا نظامِ شمسی
تارے تارے کے لئے دور میں جامِ شمسی

ایک خورشید کے ہر سمت ہیں صد ہا خورشید
عالم آرائی کی یہ بھی ہے ذرا سی تمہید

کونسا جزو ہے خود جس میں نہیں کل مخفی
غنچے غنچے میں دو عالم کا ہے اک گل مخفی

راز کی بات

عالمِ خلق کی تقدیر ہے، جب تک تقدیر
حرفِ آغاز کی جاری ہی رہے گی تفسیر

کلمۂ کن ہی کی تاثیر تھی آدم کی حیات
زندگی دوڑ گئی روح بنی راز کی بات

راز فہمی ہی سے مسجودِ ملک تھے آدم
عالمِ قدس کی نظروں میں فلک تھے آدم

خود شناسی ہی کلید درِ عرفاں ہے
جو کلی آپ کو پہچانی گلستاں نکلی

بزمِ آغاز

اللہ اللہ عجب منظرِ آغاز بھی تھا
راز بے پردہ بھی اور حدِ راز بھی تھا

اس طرف بزمِ تجلی تھی اُدھر لاکھ حجاب
حسن میں حسن مسلسل تھے نقابوں میں نقاب

جمع اک بزم میں تھیں سب متقابل صفتیں
ذات خورشیدِ حقیقت مہِ کامل صفتیں

کیوں نہ دارین کو تفسیرِ تبسم کہہ دوں
بزمِ انوار کو خلق مہ و انجم کہہ دوں

جس طرف اٹھے نظر اپنی مقابل ہی جمال
بزم کا اپنی حقیقت میں خود ہی دل ہی جمال

چاہا جو کچھ بھی سرِ دید نظر آنے لگا
ہر طرف بزم میں خورشید نظر آنے لگا

وحدتِ شہود

چاندنی چھٹکی، نظاروں پہ ستارے چھائے
سارے میخانے پہ ساقی کے اشارے چھائے

نظر آئے کہیں اسرار کے دریا جاری
کہیں موجوں پہ ملی حسرتِ ساحل طاری

آگے بڑھکر نہ تصور ہی نہ پروازِ خیال
ہی مگر کثرتِ انوار کی تفصیل محال

سامنے شاہدِ معنی کے ہی مفہومِ نظام
پہلے میخانہ ہی، پھر بادہ ہی، آخر میں ہی جام

مرتبۂ انسان کامل

سب سے پہلے جو تھا آخر میں وہ انساں آیا
بعدِ آرائشِ دارین ہی مہماں آیا

علمِ باری کا نہ مفہوم زمانہ سمجھا
کامل انسان ہی توحید کے معنی سمجھا
نور نے خلق کی آنکھوں سے اٹھایا پردہ
بزمِ خورشید میں کوئی نہ بتایا پردہ

وحدتِ علمی

ہر طرف پاتی ہے جس کو نگہِ نامحرم
ہی فقط علم کے اندر ہی وہ بزمِ عالم
کائنات اصل میں ہی باری تعالےٰ کا شہود
باقی افسانہ، حقیقت میں ہی بس اتنا وجود
سامنے فکرِ مصوّر کی ہی تصویر نہیں
عالم اک نقشۂ تعمیر ہے تعمیر نہیں
لاکھ حیرت کے جہاں ایک جمالِ ہستی
ہر ستارے میں ہی آباد نئی اک بستی
حسن آباد نہیں ہی تو غم آباد نہیں
اور کیا صورتِ عالم ہی ہمیں یاد نہیں
عالمِ فکر کا مفہوم سمجھ راز شناس!
وہ ہی ناداں جو کرے اپنے تخیّل پہ قیاس

تردیدِ سوفسطائیت[۱]

آنکھ والے تو حقیقت سے نہ خالی سمجھے
جو تھے وہمی وہی عالم کو خیالی سمجھے
وحدتِ علم کی تفسیر ہے سارا عالم
یعنی ہے شاہدِ معنی کا اشارا عالم

تردیدِ لاادریت[۲]

منکرِ علم کے انکار سے کیا ہوتا ہے
خود ٹپکتا ہے نظر سے جو چھپا ہوتا ہے

[۱] سوفسطائی وہ لوگ کہلاتے جو تمام عالم کو خیالی سمجھتے ہیں [۲] لاادری وہ ہیں جو مطلقاً علم حقیقت کا انکار کرتے ہیں

جہل کو اپنے چھپاتے ہیں جو دانائی سے
بچ نہیں سکتے کبھی عقل کی رسوائی سے

حدِّ ادراک اگرچہ ہی فقط عجزِ بشر
مگر اس عجز میں ایمان نظر مضمر

دل سمجھتا ہی نہیں اس کے سوا کچھ بھی نہیں
ہر طرف پاتی ہی بے پردہ جسے چشمِ یقیں

صبح دو اشکوں میں جس کے ہو سحر اس کی ہی
لائے بے دیکھے جو ایمان نظر اس کی ہی

علم باری کی تجلّی ہی کا ہے نامِ انساں
ازلی بادۂ توحید کا ہے جامِ انساں

بطلانِ تصوّریت[۱]

علم باری میں جو تثلیث کا قائل ہوگا
بزمِ توحید سے وہ دور ہی اے دل ہوگا

محو معنیٰ میں ہے جب بزمِ جمالِ معنیٰ
علم اور عالم و معلوم کی پھر بحث ہی کیا

شاہدِ معنیٰ وہی ایک ہے دو چار نہیں
قائل اپنا بھی جو ہو محرمِ اسرار نہیں

ہمہ اوست؟

یہ مگر بزمِ اوست نہیں اہلِ نظر
نورِ مطلق نہیں محدود تفاسیرِ سحر

بزمِ انوار کو خورشید نہیں کہتے ہیں
یوں ہمہ اوست کو توحید نہیں کہتے ہیں

جس کے دل میں کوئی ساقی کے سوا اور نہیں
ایسے میکش کا ہمہ اوست بجز دور نہیں

بیخودی اصل میں کیفیتِ وجدانی ہے
جو ہے لاثانی بہر حال، وہ لاثانی ہے

[۱] برکلے جو نظریہ تصوّریت کا بانی ہے۔ روح برتر (عالم)، تصوّر (علم)، اور نفس انسانی (معلوم) تینوں کو تین مستقل بالذات حقایق سمجھتا ہے

کیف کی بات کو افسانہ بنا رکھا ہے
کہ نہیں سکتی ہے پروانہ کی تقلید مگس
عقل والوں کو ہمہ اوست بجز پوست نہیں
اوست ہی عشق کے دل میں ہے ہمہ محوِ نظر
عقل محدود ہے انسان کی، خدا نا محدود
خود نظر آئے گا پھر جلوۂ مقصود تجھے
شانِ تخلیق سمجھنے سے بہت دور رہی عقل
شے سے ایجاد ہے ہر شے کی یہیں تک ہے نظر
ورنہ مخلوق پہ ہوتا نہ گماں خالق کا
لوگ جو کرتے ہیں ہر شے پہ خدا کا اطلاق
ماورائے خلق ہے احساسِ خرد مشکل ہے
لا الٰہ کے عقیدے سے ہی عقدہ یہ کھلا
نفی کے بعد ہی اثبات کے انوار آئے
کیسا پھر سجدہ اگر ساجد و مسجود ہیں ایک
بندہ ہونا تو ہے دشوار، خدا بننا سہل

عقل نے خلق کو دیوانہ بنا رکھا ہے
نگہِ عشق کہاں، اور کہاں چشمِ ہوس
غمِ دنیا[1] ہے حقیقت میں، غمِ دوست نہیں
رنگِ گلزار کے قائل ہی نہیں اشکِ سحر
لا الٰہ سے غمِ دل کو بنا لا محدود
تکتا رہ جائے گا ہر عالمِ محدود تجھے
جہلِ دانش ہی یہ بس دور سے سمجھی ہے عقل
نیستی ہے ہست کا مفہوم نظر سے باہر
بانیِ دارین میں فرمانِ رواں خالق کا
اُن کی نظریں ہیں حقیقت میں اسیرِ آفاق
عشق کا راستا البتہ بلا منزل ہے
طالبِ اوست کی نظروں میں ہمہ ہیچ ہے کیا
پردہ اُٹھا تو نظر ذات کے انوار آئے
کون ہے بندہ اگر عابد و معبود ہیں ایک؟
دیکھ ہے فہمِ جہاں ساز کو کیا بننا سہل

[1] غمِ دنیا، فکر و احساسِ ہمہ۔

بندگی بندۂ تسلیم و رضا کا ہے مقام — معنیٰ خود اپنے بتاتا ہے پیامِ اسلام
لا اِلٰہ کے سوا حق کوئی تعلیم نہیں — کسی بندہ کی خدائی ہمیں تسلیم نہیں [1]

مادّیت

مادّیت کا زمانے میں وہ دم بھرتے ہیں — خود فریبی سے جو انکارِ خدا کرتے ہیں
اپنی ہستی کا تو دعویٰ ہے خدا کا انکار — خود فریبی کی کوئی حد بھی ہے ہو استغفار
جہلِ علمی کی بھی دنیا میں بہت قسمیں ہیں — منکرین آپ سمجھتے ہیں کہ ہم کس میں ہیں
وہ نگاہیں جو پرستار ہیں ظلمت کی ہنوز — کہاں ان میں کوئی احساسِ بصیرت افروز
جو نظر آئے انھیں اس کی ہے تردید فضول — ہر شبِ تار کا انکارِ سحر، نامقبول

راہِ ارتقائے آدمیّت

جب تک انسان کا دل درد کا حامل نہ ہوا — ہستی و زیست کا حل عقدۂ مشکل نہ ہوا
آسمانوں پہ نظر آتے ہیں جتنے تارے — جستجو کے ہی مقامات ہیں آدل سارے
دل میں ہر تارے نئے نقشِ قدمِ ہستی ہے — جو مسلسل ہی بڑھا ہے وہ عزمِ ہستی ہے
جستجو شوق، طلب دل کے تھے اجزائے حیات — ارتقا منزلِ ہستی کی طلب ہے بالذات
نکتۂ ذات کا مفہوم ہے ذاتِ واحد — منعکس ذات میں انسان کی صفاتِ واحد

[1] مادّے میں اگر عقل اور ارادے کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو نظریہ وحدت مادّی اور ہمہ اوست میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا ہے۔ انسان ایک وحدت ہمہ گیر قریب بہ حواس پاتا ہے نام اس کا کچھ بھی رکھ لیا جائے مگر یہ احساس کسی نظامِ اخلاق و شریعت یا کسی دستورِ انسانی کا بنیاد ہرگز نہیں ہو سکتا ہے، عقیدۂ توحید ہی انسان کو پابند اصول بنا سکتا ہے۔

دیکھ کر منظرِ عالم یہ پتا چلتا ہے ‏— پیہم اس راہ میں ہر شکل سے غم گزرا ہے
غنچہ شاخوں سے گزرتا ہی تو گل ہوتا ہے ‏— جزو دل دیکھ کہاں شاہدِ گل ہوتا ہے

منزلِ تکمیل

سامنے آنکھ کے اب منزلِ تکمیل آئی ‏— راہ انسانِ مکمّل کی جبیں نے پائی
انجم و ماہ کی دنیا سرِ افلاک نہ پوچھ ‏— ہے محیطِ دو جہاں جلوۂ لولاک نہ پوچھ
دل کی معراج تھی بزمِ مہِ کامل ہونا ‏— کامل انسان کے اوصاف کا حامل ہونا

حمد ہر ذرّۂ عالم کی ابھی خالی تھی
عالمِ حمد میں احمد کی جگہ خالی تھی

حمد و نعت صلے اللہ علیہ وسلم

مصطفےٰ سرورِ دارین و شہِ کون و مکاں ‏— انبیا اور ستارے وہ مہِ کون و مکاں
یا خدا حمد ہی تیرے ہی لئے، تو رب ہے ‏— تیرے ہی حکم کا پابند یہ سب عالم ہے
حمد تیری مرے اشکوں کی زبانی یارب ‏— سوئے ساحل ہی غموں ہی کی روانی یارب
بے زبانوں کو عطا ہو وہ زبانِ معنیٰ ‏— جس کی خاموشی میں مضمر ہو جہانِ معنیٰ
وجد آئے مہ و پروین کو کرے دل وہ ثنا ‏— آنسو آنسو میں ہو یارب رخِ احمد کی ضیا
سامنے آنکھوں کے شکلِ شہِ والا آجائے ‏— روئے محبوب کا سینوں میں اجالا آجائے
چار جانب مہ و پروین کا سماں ہو جائے ‏— ذرّے ذرّے پہ تجلی کا گماں ہو جائے

شش جہت سے ترے انوار اٹھا دیں پردے ۔۔۔ سارے عالم کے بیک وقت ضیا دیں پردے

چشمۂ نور وہ ہر آنکھ سے جاری ہو جائے ۔۔۔ عالمِ وجد ہر اک روح پہ طاری ہو جائے

تیری تسبیح مسلسل ہو زباں سجدوں کی ۔۔۔ ترجمانی میں ہوں گم کون و مکاں سجدوں کی

گوہرِ حمد محمدؐ کو بنا کر مولا (صلی اللہ علیہ وسلم) ۔۔۔ قلزمِ حمد کو وہ تو نے اجالا بخشا

صبح ہر موج کے سینے میں نظر آتی ہے ۔۔۔ چھاؤں تاروں کی سفینے میں نظر آتی ہے

اشک آنکھوں سے بہے نور کا دریا بن کر ۔۔۔ سجدے شبنم نے کیے غم کا ستو بن کر

لالۂ طور ہوا ذوقِ جبیں سے پیدا ۔۔۔ پھول فردوس ایک ایک نشانِ سجدہ

بے نقابی کسے کہتے ہیں سمجھنا تھا محال ۔۔۔ دفعۃً سامنے آیا ترا بے پردہ جمال

تیرے محبوب کا دیدار تھا تیرا دیدار ۔۔۔ عرش کی حد سے گزر کے نظر آئے انوار

طوف میں نور کے جب سب مہ و انجم پائے ۔۔۔ خود سمجھ میں تری تسبیح کے معنی آئے

آئنہ تھا تری یکتائی کا یکتائے جمال ۔۔۔ سر تا پا تھے تجلی ترے اوصافِ کمال

پڑ گئیں جب یہ بھی رحمت کی نگاہیں یا رب ۔۔۔ کھل گئیں دل میں ترے سمت کی راہیں یا رب

سینوں میں جب رخِ محبوب کی تنویر آئی ۔۔۔ خود بخود سامنے قرآن کی تفسیر آئی

نہیں جس ذرّے کو معلوم پتا تک اپنا ۔۔۔ اس کا نظارا سرِ منزلِ خورشید سے کیا

حدِّ ادراکِ بشر صرف جبیں سائی ہے ۔۔۔ بات اتنی ہی سمجھ میں اس در آئی ہے

آنسو آنسو کی نظر تیرے کرم کی جانب ۔۔۔ کون ہے تیرے سوا ساحلِ غم کی جانب

جب نظر آتا ہی اشکوں کو اندھیرا شب میں
تو دکھا دیتا ہی رحمت سے سویرا شب میں

تیری عظمت کے تصوّر میں دو عالم گم ہیں
آج تک اپنے تجسس میں مہ و انجم ہیں

جب ستاروں سے اُدھر میری نظر جاتی ہی
اپنی ہر فکر مجھے ہیچ نظر آتی ہی

شب میں کہتی ہی نظر سے یہ فضائے خاموش
ڈوب جا میرے سمندر میں اگر ہی تجھے ہوش

میری دنیا میں کہیں نام کنارے کا نہیں
کام اس راہ میں محدود نظارے کا نہیں

لاکھ سیارے معلق ہیں بیک جذب نہاں
دائمی دور میں ہیں سب مہ و انجم کے جہاں

اِن مناظر کو مرے دل میں اتارا یا رب
خاک در اور تری قدرت کا نظارا یا رب

دیدۂ تر کو وہ توفیق نظر دے یا رب
دامن خلق جو انوار سے بھر دے یا رب

راستا تیری محبت کا ہی راہِ محبوب
منزل اس کی ہی جو ہو محو [illegible] محبوب

مالک حمد ہے تو نام محمّد اُن کا
نام تیرا ہے احد اور لقب احمد اُن کا

نور و تنویر کی نسبت ہی کہے کیا کوئی
گوہر سینۂ دریا کوئی، دریا کوئی

دل اندھیروں میں تھے حیران زمانے بھر کے
کھو کے بنیاد پرستار تھے بام و در کے

صبح کی موج اگر شب کی پجاری ہو جائے
کیوں اندھیرا ہی بہر سمت نہ طاری ہو جائے

سر تھا انسان کا خم سنگ و حجر کے آگے
آئنہ سنگدلی کا تھا بشر کے آگے

تھی نگاہوں سے نگاہوں کی لطافت اوجھل
گرد ہی سامنے تھی شمعِ صداقت اوجھل

خاص رب کے لئے مخصوص جبیں تھی جس کی — بہرِ دیدارِ خدا چشمِ یقیں تھی جس کی
گردِ آوارۂ دنیا وہ نظر آتا تھا — پھر بھی اللہ غنی آدمی کہلاتا تھا

آگیا رحم مشیت کو بالآخر تیری — دیکھا دارین نے رحمت کو بالآخر تیری
رحمتِ عالمیاں، مظہرِ شانِ رحمٰن — ساقیِ کوثر قرآن و لسانِ رحمٰن

سرورِ کون و مکاں، فخرِ رسل، جانِ سبل — جن کے قدموں سے ہوا خلق کو عرفانِ سبل
اشک ہر ٹوٹے ہوئے دل پہ بہانے والے — دل کے ٹکڑوں کو کلیجہ سے لگانے والے

بیکسوں اور غریبوں کے جہاں میں والی — جن کے در سے نہ پھرا کوئی سوالی خالی
ہو کے زخمی بھی ہدایت کی دعائیں مانگیں — ظالموں کے لئے رحمت کی دعائیں مانگیں

ذرّے خورشید بنے نورِ کرم سے اُن کے — دونو عالم میں اجالا ہوا دم سے اُن کے
عرش نے فرشِ قدم جن کے ہی رفعت پائی — جو جبیں در پہ مٹی ارض و سما پر چھائی

فاتحِ وقت زمانے کے غلام آئے نظر — ہوئے آزاد تو قدموں پہ زمانے کا تھا سر

تیرے محبوب کی توصیف ہی تیری توصیف
میرے اللہ ہو مقبول یہ روحی توصیف

دعا

صدقہ نعت مکرم وہ الٰہی مل جائے — جس سے ہر ذرّے کو خورشید نگاہی مل جائے
ایک مدت سے ہی سوکھی جو دلوں کی کھیتی — تیری رحمت کی بھرن کر دے اسے پھر سے ہری

راہِ توحید جو بچھڑے ہیں گمراہی سمجھیں
اپنی خود راہی کا انجام، تباہی سمجھیں

پھر سے ہو جائیں دلوں کو وہی ایماں عطا
برق ہو ہر شبِ ظلمت کے لئے جن کی ضیا

موجیں طوفان و تلاطم کا اشارا سمجھیں
اپنا خود اپنی روانی میں کنارا سمجھیں

آنسو آنسو کی نظر میں ہو وہ شانِ قدرت
شعلوں میں محوِ تبسم ہوں ندیمِ رحمت

قطرے پھر مل کے خود ہی اپنا سفینہ بن جائیں
ظرف وہ دے جو سمندر ہی کا سینہ بن جائیں

پھر سے سینوں میں اگر سوزِ بلالؓ آ جائے
سامنے خود رخِ احمدؐ کا جمال آ جائے

صلے اللہ علیہ وسلم

تیری رحمت سے الٰہی مجھے ہوتا ہے یقیں
اس دعا پر مری کہتے ہیں فرشتے آمیں

عبدیت

موج کا کام مسلسل ہی بڑھے جانا ہے
حدِ ساحل کو پہونچ جانا تو افسانہ ہی

بے مثالی پہ ہے ایمانِ مسلسل سجدہ
حشر تک ہو گا نہ ہستی کا مکمل سجدہ

اللہ اللہ عجزِ دل کے ترے بے پایاں سجود
بندہ اک سجدہ جاری ہی خدا نا محدود

فاصلے پر بھی تبسم سہی دو ایک قدم
راہِ معراج کے ہی قدموں کے نیچے عالم

نہیں کچھ عالم و آدم کا فسانہ آگے
اک قدم بڑھ نہیں سکتا ہی زمانہ آگے

راہِ معراج کا آغاز حدِ عالم ہے
دل میں اک نقشِ قدم سندِ عالم ہے

اس شرف پر ہوں فدا لاکھ جہانِ خوبی — عبدِ کامل کے لئے ہے شرفِ محبوبی

عبد کے سامنے ہو عبدِ مکمل کا جمال — حد نہیں رکھتی کوئی منزلِ معراجِ کمال

کس قدر مژدہ ہے اے دل یہ عطا کا، محبوب — جو ہو محبوب کا محبوب، خدا کا محبوب

فیض محبوب یہ تا حشر رہے گا جاری — کوثرِ جاری ہی بے پایاں عطائے باری

ہر گدا ہی درِ محبوب کا سلطان جہاں — اللہ اللہ وہ بوذرؓ، وہ بلالؓ و سلمانؓ

جنتِ دید تھی اُن حق کے پرستاروں میں — مسکرائے جو دہکتے ہوئے انگاروں میں

کس مہِ نور کی آنکھوں کا ستارا تھے حسینؓ — بڑے طوفان میں کشتی کا سہارا تھے حسینؓ

شانِ قربانی انصار و مہاجر پہ درود — غمِ دارین ہے سینوں میں نہ احساسِ وجود

حکم پاتے ہی عجب جوش تھا کیسا منجدھار — مثلِ طوفان کے سینے سے سمندر کے تھے پار

خالصاً دل سے جب اللہ کی ہو جاتی ہے — عبدیت فاتحِ دارین نظر آتی ہے

پھر جبینیں انھیں سجدوں سے منور ہو جائیں — جلوۂ حق کی جو شاہدِ سرِ محشر ہو جائیں

طلب خداوندا

نام ہو لب پہ ترا دل میں تری شان رہے — ہر قیامت میں مسلمان، مسلمان رہے

بخش دے نور کی وہ دل کو لگن اے مولیٰ — تا قیامت رہے سینوں میں اجالا جس کا

دشت و کہسار و بیاباں سے گزرتا ہوا غم — موج و طوفان و تلاطم سے ابھرتا ہوا غم

مسکراتی ہوئی دنیا کے اندھیروں پہ نظر
جگمگاتی ہوئی سینوں کی فضاؤں کو سحر

دو نو عالم کے حجابات اٹھاتی ہوئی دید
تیرے انوار ہر سمت دکھاتی ہوئی دید

پیاسوں میں چشمۂ کوثر ہی بہاتی ہوئی آنکھ
راہی راہی کو تری راہ دکھاتی ہوئی آنکھ

مرگ کو زیست میں تبدیل جو کر دیں وہ اثر
سوزِ ہستی کا جو ہر سینے میں بھر دیں وہ اثر

کارواں جس سے ہو بیدار وہ بانگِ سحری
کھول دے آنکھ جو ہر دل کی وہی دیدہ دری

ہوں ترے فضل یا رب مرے اجزائے حیات
حمد میں تیری ہمیشہ رہے مدّاحِ ذات

عاجز اور حمد تری، صرف جبیں سائی ہے
تیری رحمت کی طرف چشم تمنّائی ہے

پرواز

(۳۰)

ہے بے پر و بالی ہی میں پرواز کا راز
جاتی ہے سرِ عرش صدائے بے ساز

اس در پہ کبھی سر تو جھکا کر دیکھو
پروازِ حیات ہے، حیاتِ پرواز

(اشاراتِ معنیٰ)

طائر

(۳۱)

اے طائر تیرے نغموں سے میں اپنے غم کو شاد کروں
تو غم کا مسلسل نغمہ بن، میں خاموشی سے یاد کروں

ابھی نہ پردہ اٹھا تھا کہ حشرِ عالم اٹھا
وجود دیکھتا کب تک عدم کے خوابِ دراز

وہ ہنس رہے ہیں کھڑے منتظر نگاہوں میں
نمودِ صبح گلستاں کا ہے عجب انداز

بہت دنوں سے تھا ہونا نشیمنِ ہستی
قفس سے سوئے نشیمن ہوئی کوئی پرواز

چمن غموں کا اڑا ساتھ لے کے طائرِ دل
بہارِ گلشنِ ایجاد کا ہے یہ آغاز

تھی اک اِشارۂ ساقی کی منتظر تخلیق
نظر اٹھانے میں مضمر تھا حکمِ بے آواز

پڑی ہیں دل کی بنائیں نظر اٹھانے سے
خود اُن کے سامنے تھا نقشۂ حریمِ راز

کسی کی راہ گزر ہی میں ڈھونڈ دل کا پتا
ہے نقشِ ناز سے نزدیک ہی جہانِ نیاز

نظر کے سامنے گویا وہی حقیقت ہے
چھپا رہے ہیں جسے سیکڑوں حجابِ مجاز

پیمانہ

(۳۳)

اے طلبگارِ دور و پیمانہ
چشمِ ساقی ہے اصلِ میخانہ

پسِ پردہ جمال، اے توبہ
مسکرایا سمجھ کے دیوانہ

سوئے در ہیں چراغ کی نظریں
اشکِ مژگاں ہے شمع کاشانہ

اسی حد تک ہوں قائلِ دنیا
آپ سے جس قدر ہوں بیگانہ

پھوٹ نکلا غم گلستاں ہیں
پردۂ خاک میں تھا اِک دانہ

کہتی ہے چشمِ تر اسی کو دل
ہے چمن میں اسی کا افسانہ

کیوں نہ رقصاں ہو شعلوں کے اندر
شمع کی اِک کرن ہے پروانہ

جو جہاں بزم میں ہے دور میں ہے
دیکھ جذبِ نگاہِ جانانہ
آنسو آنسو کے ہر طرف ساقی
چشمِ تر ہے کہ آئینہ خانہ

میکدہ

(غزلوں کا مجموعہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۳۴)

آغازِ اسمِ ذات سے وہ جگمگا گیا
دیباچہ صفات کو خود وجد آگیا

یہ کس کا نام بار خدا لب پہ آگیا
جو انتہائے حمد کے معنیٰ بتا گیا

کچھ ناظر و نظر کا وہاں سے پتا نہ پوچھ
منظر جہاں سے بیچ کا پردہ اٹھا گیا

اُس راہ میں گئے ہیں نہ سجدے کہاں کہاں
دل جہاں کہا، وہ حرم اُن کا آگیا

انسان ہے کتابِ دو عالم پر اک نظر
جو آنکھ بن گیا وہ نظر اُن کی پا گیا

ماہ و نجوم سے ہی مقامِ کشش بلند
تڑپا جو دل تو عرش و فلاک سب پہ چھا گیا

(۳۵)

عشق خود اپنے ہی نظاروں میں حیراں نکلا
اُن کے پردے میں بھی در پردہ غمِ جاں نکلا

کتنا سامانِ جنوں بے سر و ساماں نکلا
چاک دامن نہ ہوا تھا کہ گریباں نکلا

کس کا مشتاق تھا یارب وہ لہو کا قطرہ
جو تڑپتا ہوا نزدیکِ رگِ جاں نکلا

راہِ ساحل نظر آئی نہ جہاں ظلمت میں
غیب سے ایک ستارا سرِ مژگاں نکلا

آنکھ یہ بارہا سمجھی کہ بہار آئی ہے
اشکِ رنگیں کا تبسم بھی گلستاں نکلا

اِس لطافت کی کوئی حد بھی ہے اللہ اللہ
موجِ ہر گل میں کوئی حُسن خراماں نکلا

ماسویٰ کا تو فسانہ غمِ ساحل ہی کہاں
اپنی ہستی ہر اک اشکِ گریزاں نکلا

شکر کے معنی اسے سمجھ جنتِ احساس نہ پوچھ
اشکِ خوں آنکھ سے فردوس بداماں نکلا

انجم و مہر و مہ و شعلہ و پروانہ و دل
پی کے میخانے سے جو نکلا وہ رقصاں نکلا

(۳۶)

پردہ جو بیچ میں نظروں کا سہارا ہوگا
تم بتا دو وہ تمہارا کہ ہمارا ہوگا

جب میسر رخِ ساقی کا نظارا ہوگا
ہر گلستاں کوئی رنگین اشارا ہوگا

آئنہ زیرِ نقاب اے دلِ ویراں کب تک
حسن در پردہ خود ہی انجمن آرا ہوگا

حشر تک تڑپی چلی جائے نہیں موجِ حیات
سامنے رہ کے بہت دور کنارا ہوگا

دیر سے جو نظر آتے ہیں سرِ در گویا
کسی سائل نے انھیں دل میں پکارا ہوگا

(۳۷)

نہیں معلوم کہاں تک وہ گلستاں سمجھا
سیکڑوں بار جو دامن کو گریباں سمجھا

اپنی منزل نہ کہیں بھی وہ غمِ جاں سمجھا
جو انھیں اپنی نگاہوں میں خراماں سمجھا

رات بھر روز ستاتے ہیں غریبوں کو ترے
ان ستاروں کو ذرا شامِ غریباں سمجھا

تا حدِ ناز تقدس ہی اگر ہے انساں[1]
کیوں فرشتوں کو نہ اللہ نے انساں سمجھا

[1] نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (قرآن پاک)

کائنات اُس غمِ محدود کی نظروں کا حجاب / اپنا امکان بھی جو تا حدِ امکاں سمجھا
اُس کی نظروں نے گلستاں کی بہاریں دیکھیں / لالہ و گل کو جو رنگِ سرِ داماں سمجھا
تیری منزل سے بہت آگے نظر ہی غم لی / تو زیادہ نہ مجھے دانشِ ناداں سمجھا
کیوں اُسی کے لئے پردے ہیں ہزاروں رخ پر / دل جو یہ سمجھا وہی حاصلِ عرفاں سمجھا
آنسو آنسو پہ ہوا اپنی ہی صورت کا گماں / بارہا آپ کو سائل سرِ مژگاں سمجھا

دل میں ہنستا ہی جنوں میرا بہت ہی گویا
مجھ کو بھی لطف سے یاروں نے غزلخواں سمجھا

(٣٨)

اے صبح کے ستارے ہر شب مجھے جگانا / نزدیک تیری منزل مجھ کو ہی دور جانا
ایماں کا تقاضا ہمدم کچھ اور ہی ہے / آتا نہیں ہے دل کو تقدیر آزمانا
پا کر انھیں مقابل اٹھتی نہیں نگاہیں / منکر کو یاد آیا ہستی کا بھول جانا
رودادِ زندگی کا حاصل تھا ان کے آگے / پلکوں پہ آنسوؤں کا کچھ دیر تھرتھرانا

اسرارِ قربِ دوری خود غم سے کوئی پوچھے
دل میں سمائے جانا ہی سامنے نہ آنا

(٣٩)

لالہ و گل کسے کہتے ہیں جلوہ خانہ کیا / بے حقیقت جو نہیں کچھ تو پھر افسانہ کیا

عالمِ غم میں کسی اور کی دل پر ہے نظر
دشت و کہسار میں تنہا گلِ ویرانہ کیا
مسکراتے ہیں کسے دیکھ کے کعبہ والے
جو طواف اپنا نہ کرتا ہو وہ دیوانہ کیا
جس طرف دیکھ لیا ہو گئی پیدا اک بزم
اُن نگاہوں کے لئے آئنہ دخانہ کیا
محو دیدار میں تو جلوۂ ساقی کے سوا
میکدہ ہی نہیں پھر ساغر و پیمانہ کیا

(۴۰)

سونا عالم پڑا ہوا ہوتا
آدمی کے بغیر کیا ہوتا
ہوتی دنیا جو منزلِ تکمیل
کوئی عالم نہ دوسرا ہوتا
موت نے آنکھ کھولی انساں کی
ورنہ ہر آدمی خدا ہوتا
دیدۂ انتظار ہے سجدہ
کہاں ہوتا اگر ادا ہوتا
غور سے دیکھتے ہو کیا گویا
ہوتا پردہ تو یوں اٹھا ہوتا

(۴۱)

ایک سجدہ کا تکملہ نہ ہوا
جو ادا ہو گیا ادا نہ ہوا
گم ہے اب تک نقاب کا عالم
سامنے اُن کے دوسرا نہ ہوا
دور منزل تھی سیکڑوں منزل
سب کا جب ایک راستہ نہ ہوا

تشنگی نے بہا دیئے دریا — گریہ پابندِ میکدہ نہ ہوا
سخت حیرت ہی ایسے شیشے پر — ٹوٹ کر بھی جو آئنہ نہ ہوا
دیکھا غم کو ہزار کہہ سن کے — کبھی پورا کہا سنا نہ ہوا
رہا دریا کناروں سے باہر — فیض موقوفِ التجا نہ ہوا
بخش دی کائنات ہستی کی — سوچ بے مانگے کیا عطا نہ ہوا
ہر قدم پر جو دل رہا اُن میں — سامنے اُس کے فاصلہ نہ ہوا
مسکرا کر اُٹھا گئے پردے — کونسا عقدہ تھا جو وا نہ ہوا

اِک تماشا ہی تھا اگر گویا
نقشِ دل نقشۂ وفا نہ ہوا

(۴۲)

نہ کوئی اشک بھی آنکھوں میں بے بہار آیا — ہزار بار نظر دشت لالہ زار آیا
بسا کے چھوڑا غموں سے جہانِ ویراں کو — دیارِ دوست کے غم میں وہ بے دیار آیا
نہ پوچھ لہر محبت کی بس گئے عالم — نظر ہر اشک سے اِک بحرِ بے کنار آیا

ہر ایک جام سے مے خود بخود اچھلنے لگی
جب اُن کا محفلِ عالم بادہ نوار آیا

(۴۳)

انتہا پردہ کی خود اُن کا نظر بن جانا
اشک آنکھوں میں بھی رہ کر نہ انھیں پہچانا

زندگی تو طلبِ ساحلِ بے پایاں ہے
موج کا راہ میں ممکن ہی نہیں سستانا

ظلمتِ مرگ تجلّی میں بدل جائے گی
آخری وقت ذرا سامنے تم آجانا

(۴۴)

جو گردِ پائے ساقی سے جمال آمیز ہو جاتا
تو میرا اشکِ غم رحمت کی دستاویز ہو جاتا

اُنھیں پاتے تو کیونکر اُن سے اپنا دردِ دل کہتے
دھڑکتا دل، نظر گھٹتی، تنفّس تیز ہو جاتا

دمِ آخر جو اُن کے آستانے پر جبیں ہوتی
نیازِ روح جلوہ بار و جلوہ ریز ہو جاتا

(۴۵)

نظر پھر صبح کا پر نور تارا قبلہ رو آیا
پھر آنکھیں نم ہوئیں پھر اشکِ دل بہرِ وضو آیا

حجاب اُٹھے دو عالم کے جہاں وہ روبرو آیا
نظر میں سامنے اُس کے نہیں آیا تو تو آیا

ہزاروں جنتیں قربان اُس موجِ تبسم پر
کہ جس کا پردہ بننے کو جہانِ رنگ و بو آیا

مقامِ کبریائی کی بلندی حد نہیں رکھتی
نہ پہونچا کوئی عالم میں تو سجدہ روبرو آیا

تجلّی رخِ ساقی نظر سے ہو گئی اوجھل
ذرا سا بھی اگر مینا رنگ میں آرزو آیا

دکھانا جب ہوا منظورِ دل کا راستا دل کو
مقامِ عرش سے جلوہ مسلسل تا گلو آیا

(۴۶)

خودی کا غم نہ جذبہ بیخودی کا ستارہ عرش پر ہے بندگی کا
نظر کے سامنے آکر بتا دو نہیں دنیا میں کیا کوئی کسی کا
اُدھر اُن کے لبوں پر تھا تبسّم
معمّا حل اِدھر تھا زندگی کا

(۴۷)

جہاں وہ یاد ہوئے سر جھکا کے دیکھ لیا نظر کی حد سے بہت دور جا کے دیکھ لیا
عموں نے بارہا نظریں جھکا کے دیکھ لیا مآلِ دیدہ وری مسکرا کے دیکھ لیا
نظر نہ آئے کہیں وہ تو ٹھنڈی سانسوں سے چراغ سینے کے اندر جلا کے دیکھ لیا
قریب ساحلِ ہستی ہی اکثر اشکوں نے خود اپنی آنکھ سے دریا بہا کے دیکھ لیا
مثالِ شمعِ سحر اشک صبحگاہی نے سحر کے وقت کسے جھلملا کے دیکھ لیا
بہت عجیب ہے گویا نظر کا افسانہ
نہ دیکھا کچھ بھی تو نظریں اٹھا کے دیکھ لیا

(۴۸)

رخ بدل دیتی ہی قدرت جب کسی تقدیر کا نقشہ ہر تخریب میں پاتا ہی دل تعمیر کا
حرف اول آدمی تھا حرف آخر آدمی وہ سر تمہید تھا، یہ تکملہ تفسیر کا

حُسن کے لب پر تبسم عشق کی آنکھوں میں شک
بات کرنا دیکھئے تصویر سے تصویر کا
چاہا جب آزاد تھا قید زمانہ توڑ کر
اُن کا دیوانہ نہیں پابند اس زنجیر کا

(۴۹)

ملا جو خاک میں دانہ اُسی دانہ میں پھول آیا
چمن قربانیوں کا روز محشر تک نہ کُمھلایا
زمیں والو فلک پر ہے بنا تعمیر ہستی کی
سوئے خورشید جھکتا ہی در و دیوار کا سایا
بلند ایثار پیدا کر، پر پرواز کیا شے ہیں
جو قطرہ سوز ہستی میں اڑا افلاک پر چھایا
نظر آتا ہی ہر سو شبنم و خورشید کا عالم
عجب انداز سے ساقی نے ہر میکش کو اپنایا

(۵۰)

زمیں تیری ہے یا میری ، فلک تیرا ہے یا میرا
خدائی کیوں نہ میری ہو کہ جب تو ہے خدا میرا
ستاروں میں کہیں بھولے نہ میری جستجو منزل
میں دیکھوں راستا تیرا، وہ دیکھیں راستا میرا
مرے اشکوں میں غم ہو، غم میں دل ہو، دل خود تو ہو
چلا ہی جائے ملتا سلسلے سے سلسلہ میرا
کہوں کس مُنھ سے اب کس کا غبار کفش پا ہوں میں
تجھے معلوم ہے اے ہادی منزل پتا میرا

ترے آگے میں کیوں کر دامنِ صد چاک پھیلاؤں
عطا تیری سمندر، نام ہے در کا گدا میرا
سفینہ نوح کا جس نے کنارے سے لگایا تھا
وہی محبوب تیرا ہے الٰہی ناخدا میرا
چمک اُٹھے مری قسمت کا تارا سینے سینے میں
چراغِ معرفت ہو جائے ہر داغِ وِلا میرا
الٰہی بندۂ عاصی کی اپنے لاج رکھ لینا
بڑی حیرت سے چہرہ دیکھتی ہے یہ دعا میرا
ترا جوشِ کرم اندازۂ عالم سے باہر ہے
سرِ اشکِ ندامت، دفترِ جرم و خطا میرا
تری سرکار کے قابل نہیں اشکِ گدا لیکن
وسیلہ ہے تری رحمت کا یارب واسطہ میرا

(۵۱)

زیست کا مفہوم یارب تا حدِ تصویر کیا
تو بدل سکتا نہیں مجبور کی تقدیر کیا
چشم و دل کے درمیاں ہے کس لئے شرطِ نقیں
سامنے اُن کے خیال جلوہ و تنویر کیا
دیکھ ہر نقشِ نظر ہی رو ہے معنی پر گراں
حُسن خود تفسیر اپنی، حُسن کی تفسیر کیا

فرش سے تا عرش یہ کس کے لئے ہی اہتمام
کہہ رہا ہی دیکھ گویا عالم تعمیر کیا

(۵۲)

آسانیوں نے کام کو مشکل بنا دیا
افسوس آرزو کو غم دل بنا دیا
دھوکا دیا خرد نے جنوں کو ہزار بار
اکثر غبار راہ کو محمل بنا دیا
بھولا جہاں خدا کو تلاطم میں آدمی
نظروں نے تنکے تنکے کو ساحل بنا دیا

(۵۳)

غم بھی روداد زمانہ بن گیا
بات کیا تھی کیا، کیا فسانہ بن گیا
جب جنوں نے چار تنکے چن لئے
سیکڑوں بار آشیانہ بن گیا
نقطۂ دل اور زمانے کا ہدف
بے نشاں ہوکر، نشانہ بن گیا
اٹھ گیا جب جہل و عرفاں کا تمیز
ہر تجاہل عارفانہ بن گیا

(۵۴)

میں کہاں تک جستجو میں آگیا
حرف عالم گفتگو میں آگیا
دیکھ کر ساقی کی آنکھوں کی طرف
بادہ خود کھنچکر سبو میں آگیا

قائل دنیا نہ تھا ہرگز بھی غم — دل فریبِ آرزو میں آگیا
مسکرا کے حسن گلشن آفریں — خود لباسِ رنگ و بو میں آگیا
یاد آئی، دھو لیا اشکوں سے منھ — کیف نظروں کا وضو میں آگیا
موج کے سینے میں طوفانِ حیات — اِک نظر کی آرزو میں آگیا

دیکھ کر افلاک کی سعیِ خزاں
جوشش دنیائے نمو میں آگیا

(۵۵)

اشک تھا آنکھوں میں اِک مچلا ہوا — وہ بھی گم ہی اب نجانے کیا ہوا
قرب کا حد سے گزرنا دیکھئے — ڈھونڈتی ہے موج کیا دریا ہوا
کیا اسی کا نام ہی دیدارِ دوست — بارہا شب میں سویرا سا ہوا
آنسوؤں سے کب دھلا رنگِ نظر — جس قدر دھویا گیا اُجلا ہوا
کامیابِ جستجو، ناکامیاں — محو ہے منزل میں غم بڑھتا ہوا

آپ کو پہچانتے ہیں اہل دید
دیکھنے والوں کو بھی دھوکا ہوا

(۵۶)

آدمی جس وقت انساں ہو گیا — غنچۂ ہستی گلستاں ہو گیا

جذبۂ ساحل سلامت، بارہا — قطرہ قطرہ مل کے طوفاں ہوگیا

کون جانے عشق کے راز و نیاز — دیکھ کر کیا خود پہ قرباں ہوگیا

ہے اسی کا نام حُسنِ اتفاق[1]

کیا سے کیا بے ساز و ساماں ہوگیا

(۵۷)

ٹھوکر سے اسے مسیحا پھر مُردہ دل جلا جا — ہستی کا راز پھر سے جہد و عمل بتا جا

تخلیق میکدے کی اے حُسن کیا ہی مشکل — پردہ اٹھا کے رخ سے میری نظر میں آجا

ہر گام پر ازل سے دل نے یہی سنا ہے

وہ سامنے ہے منزل راہی بڑھا چلا جا

(۵۸)

خموش کیوں ہیں نگاہیں کہا نہیں جاتا — فسانہ آپ ہی کہہ کر سنا نہیں جاتا

ٹپک رہے وہی جلوے آنسو آنسو سے — کسی حجاب میں جن سے چھپا نہیں جاتا

تڑپ رہی ہے جبیں بھی عجیب منزل میں — اُدھر کو رخ ہے جدھر راستا نہیں جاتا

نہ ہو کشش تو وہاں تک رسائی ناممکن — خود آگے اپنے قدم سے بڑھا نہیں جاتا

مرادِ دوست جہاں ہر مراد ہو اپنی — وہاں ارادہ کوئی خود کیا نہیں جاتا

[1] ابھی یہی پہلا مصرعہ معرض تحریر میں تھا کہ دفعتہً مجاہد میاں سلمہٗ، عمر ۹ سال کھیلتے کھیلتے اوپر سے گر پڑے اور ایک کلائی کی دو نو ہڈیں ٹوٹ گئیں مگر پروردگار نے بڑا اپنا فضل کیا کہ کہیں اور چوٹ نہیں آئی۔

خلوصِ بندۂ اغراض میں کہاں گویا
بغیرِ عشق غمِ مدعا نہیں جاتا

(۵۹)

ہزار اشک بہائے نظر نہ جام آیا
جہاں خلوص میں کچھ رنگِ اہتمام آیا

کوئی نماز، نہ روزہ نہ سجدہ کام آیا۔
جو کام آیا تو محبوب ہی کا نام آیا

جہاں میں آس دلوں کی ہی بس اُسی در سے
جو غم اُدھر کو گیا پھر کے شاد کام آیا

تلاشِ رزق رہی جس کو آسمانوں میں
کبھی نہ عرش کا طائر نہ زیرِ دام آیا

(۶۰)

اگر ہو سہل نہیں درد کا چھپا لینا
نہیں محال غمِ دل پہ مسکرا لینا

یہ کہہ کے بھیجا ہے قدرت نے غم کو دنیا میں
جہانِ دشت گوارے غم چمن بنا لینا

بنا ہی آنکھ جو غم انتظارِ ساحل میں
کسی بہانے سے دریا اسے بہا لینا

ہے اِس کے آگے تری بندہ پروری یارب
ہمارا کام ہے سجدہ میں سر جھکا لینا

(۶۱)

صبح کو غنچہ چمن میں مسکرا کے رہ گیا
زیست کا عنوان ہی ہونٹوں پہ آ کے رہ گیا

جب مرے ساقی نے الٹا دی رُخِ روشن سے نقاب
ہر ستارہ تا ثریّا جھلملا کے رہ گیا
ہو گیا گم ہی تو اس در کی بلندی دیکھ کر
طالبِ نظّارہ بس نظریں اٹھا کے رہ گیا
خود سے جو گزرا نظر آیا حریمِ راز میں
ہوشِ سجدہ تھا جسے وہ سر جھکا کے رہ گیا

(۶۲)

اِک چاند اُدھر پایا، اک چاند ادھر آیا
دل میں رہِ انجم سے یہ کون اتر آیا
تعمیر کے مقصد سے تعمیر نہیں پہلے
دنیا سے بہت پہلے دنیا میں بشر آیا
دنیا یہ خدا جانے کے بار بسی بھر سے
جس راہ سے گزرے وہ ہر نقش ابھر آیا
کیا دیدہ و دل گویا اِک حسن کے چھلکے ہیں
جو جام جہاں بھی تھا، بے ساختہ بھر آیا

(۶۳)

محفل میں جس طرف سے بھی ساقی نکل گیا
ہر بادہ کش کے ہاتھ سے ساغر اچھل گیا
دورِ انتہائے شوق سے تھا کس قدر جنوں
منزل سے آ کے سیکڑوں منزل نکل گیا
میخانہ چند ٹوٹے دلوں کا ہی ارتباط
مل کے جہاں بھی بیٹھ گئے دور چل گیا

(۶۴)

رنگ لائے ہیں مرے اشکِ فراواں کیا کیا
ہر قدم پر نظر آتے ہیں گلستاں کیا کیا

گل مہتاب زمیں پر ہے، فلک پر ہے ہلال
چاکِ دامن نے سجائے ہیں گریباں کیا کیا

حسن ہیں ایک تجلّی کے سبھی پروانے
شمعِ محفل کے اشارے ہیں فروزاں کیا کیا

تذکرہ جن کا ابھی تک مہ و خورشید میں ہے
اللہ اللہ چھپے خاک میں انساں کیا کیا

ایک غم لاکھ خیابانِ نجوم و مہتاب
تجھ کو بہلاتے ہیں اے دلِ حمپستاں کیا کیا

پردۂ راز میں جنبش بھی نئی چیز نہیں
نظریں پیہم نہ ہوئیں سلسلہ جنباں کیا کیا

قطرے قطرے میں تلاطم، سرِ ساحل کشتی
نظر آتے ہیں مناظر سرِ مژگاں کیا کیا

بے زبانی ہی غم و درد کی گویا ہے زباں
آنسو آنسو میں ہیں افسانۂ امکاں کیا کیا

(۶۵)

خارِ دل خار نہ ہوتا تو گلستاں ہوتا
بہرِ نظّارۂ رنگیں سرِ داماں ہوتا

چاک دامن جو نہ ہوتا تو گریباں ہوتا
سر و سامانِ جنوں بے سر و ساماں ہوتا

سیرِ دل کے لئے کوئی تو فضا چاہئے تھی
دہر گلزار نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

حیرتِ عقل پہ ہنستا ہے دلِ دیوانہ
جو نہاں ہوتا یقیناً وہ نمایاں ہوتا

بزم میں ہیں وہی تنہا سببِ یکسوئی
ورنہ شیرازہ نگاہوں کا پریشاں ہوتا

غنچہ بے جوشِ نمو پھول نہیں بن سکتا
آدمی آدمی جو ہوتا تو انساں ہوتا

ماہ و انجم کی غریبوں کو ضرورت کیا تھی
اشک جس سمت جھلک اٹھتے چراغاں ہوتا

دردِ دل چھپ نہیں سکتا ہی کسی صورت سے
اشک دامن میں نہ ہوتا سرِ مژگاں ہوتا

نارسائی کا ہے اقرارِ رسائی گویا
دید ہی کیا تھی جو نظارہ نہ حیراں ہوتا

(۶۶)

آتا ہے یہ خیال مجھے بار بار کیا
بے اعتبار گریہ بے اختیار کیا

دریا نہیں تو موج کا پھر اعتبار کیا
آپ اپنی انتہا ہے تو پھر ہی بہار کیا

بے عشق کوئی حسن نہیں کائنات میں
بے شمع بزم رونق نقش و نگار کیا

سب کچھ ہے جس ساتھ وہی سامنے رہے
ورنہ چمن میں لالہ و گل کا شمار کیا

گردش میں رات دن ہیں مہ و مہر کس لیے
منزل نہیں کوئی تو رہِ انتظار کیا

(۶۷)

دیکھے عالم کا کوئی تابع فرماں ہونا
کیا خدا جانے ہے انسان کا انساں ہونا

سینۂ بحر میں بھی موج کا عالم ہی وہی
درد و درماں کا اسے کہتے یکساں ہونا

کس کو آتی ہے نظر ورنہ بیاباں میں بہار
معتبر رنگ تمنا کا گلستاں ہونا

اُن کے چہرہ کی ضیا عرش سے باہر پاکر
مشکلِ دل کا نظر آگیا آساں ہونا

آدمی جائے گا کس منہ سے خدا کے آگے

صف ایمان کا ہے تا حدِ امکاں ہونا
واہمہ ہی یہ ہمہ کا ہے ہمہ اوست نہیں[1]

اوست سے پہلے یہ لوگوں کا ہمہ داں ہونا
حلقہ بن جاتی ہے ہر موجِ غمِ ساحل کا
یہ ہے دامن کا محبت میں گریباں ہونا

(۵۸)

"درد کا حد سے گزرنا ہی دوا ہو جانا" — کس کو منظور ہی بندہ سے خدا ہو جانا
دور تک جاتی ہی آوازِ شکستہ دل کی — حشرِ فریاد ہی بے صوت و صدا ہو جانا
ہستی و عدم، گردشِ چشمِ ساقی — کیا نہ ہو جانا حقیقت میں ہی کیا ہو جانا
ساری دنیا ہو خفا سارا زمانہ ہو خلاف — مجھ سے اے امیرِ عمو تم نہ خفا ہو جانا
جاتی ہیں جانبِ خورشید شعاعیں واپس — لوگ اسے کہتے ہیں معدوم و فنا ہو جانا
دل کی تعمیر کا آغاز بتاؤں تجھ کو — جب بھلا تیرا ہو دنیا کا بھلا ہو جانا

[1] اگر ہمہ یعنی وجود ما سویٰ یا کائناتِ گرد و پیش کا واہمہ مقدم طور پر دل میں نہ ہوتا تو تنہا اعتراف اوست ہی حقیقت کی ترجمانی کے لئے کافی ہوتا۔ نظریہ ہمہ اوست یہ صاف بتاتا ہو کہ اوست سے پہلے اعتراف ہمہ دل میں جاگزیں ہے، اس شعر کا روئے سخن اُن بزرگ ہستیوں کی طرف ہرگز نہیں ہی جو محویتِ عشق میں ہمہ اوست کہہ اٹھی ہیں۔ صرف وہ لوگ مخاطب ہیں جو بغیر کسی ذوق کے صرف دلائلِ فکری سے ہمہ اوست کے قائل ہیں۔ جذبات نظر سے ماورا ہوتے ہیں فکر ہیں نہیں۔ کائنات اثرِ تجلّی ہے ذاتِ متجلّی نہیں اس لئے خدائی کو خدا نہیں کہہ سکتے۔

ہی غبارِ رہ مقصود ہی گویا دنیا
دین اُس در کا تہِ دل سے گدا ہو جانا

(۶۹)

رہینِ وہم ہی سارا جہاں ہے، کیا کہنا
یہ سب ترا ہی خیال و گماں ہے، کیا کہنا!!

ملی ہیں اوّل آخر کی سرحدیں مجھ میں
یہ درمیاں سے مری داستاں ہے، کیا کہنا!![1]

کمال کر دیا اے حسرتِ نظر تو نے
جہاں قفس ہے وہیں آشیاں ہے کیا کہنا!!

(۷۰)

لگے چار چاند جو اشک میں تو جہان بھر کو سجا دیا
تری شامِ غم میں نگاہِ دل یہ چراغ کس نے جلا دیا

مری سمت جس نے نہ دیکھ کر مرے دل میں پردہ اُٹھا دیا
میں اسی کے در کا غبار ہوں مجھے جس نے میرا پتا دیا

تجھے چاند اور مجھے داغِ دل، مجھے اشک اور تجھے چاندنی
خود انھیں سے پوچھ یہ آسماں مجھے کیا دیا تجھے کیا دیا

یہ انھیں کے سوز کا باغ ہی یہ چراغ ہی وہ چراغ ہی
دمِ سرد و گریۂ شوق نے جو بجھا دیا وہ جلا دیا

[1] حضرت شاد عظیم آبادی سے سنا فسانۂ ہستی تو درمیاں سے سنا ۔ نہ ابتدا کی خبر ہو نہ انتہا معلوم ۔

(۷۱)

حجاب دیکھے تو ہو کے حائل زرا زمیں اور آسماں کا
اِدھر ہی دل اور اُدھر تجلّی، نہیں ہی پردہ ہی درمیاں کا
عجب ہی عالم، عجب نظارے، نگاہ خاموش گم اِشارے
کھڑے ہوئے ہیں وہی کنارے، خیال کیسا گماں کہاں کا
عجیب دنیائے چشمِ تر ہی، نظر جو آئے فقط نظر ہے
نگاہِ ساقی کی ایک جنبش میں غرق ہے میکدہ جہاں کا
یہ شرحِ آیاتِ نور گویا عطائے سرکارِ نور ہی ہی
مجھے وہ تفسیرِ راز دیدی حجاب اٹھا دے جو درمیاں کا

(۷۲)

رازِ دریا فاش کیوں اے موجِ مژگاں کر دیا
نذر اِک قطرے کے سارا غم کا طوفاں کر دیا
تیری دنیا کی حقیقت آنکھ مل کر دیکھ لی
ہٹ بھی گردِ راہ تو نے تو پریشاں کر دیا
حُسن نے جس وقت دیکھی کچھ حجابوں میں کمی
اور جلووں کو قریبِ چشمِ حیراں کر دیا

کچھ ذرا سا اور نظروں کو سہارا دیجئے
مسکرا کر تو دو عالم کو گلستاں کر دیا

کچھ وہی پروانہ سمجھا دہر میں رازِ وجود
جس نے ہستی کے لئے ہستی کو قرباں کر دیا

(۷۳)

غریبوں کے گھر میں ہے کیوں اندھیرا
ستاروں میں کرتے ہیں رہ کر سویرا
غمِ باغباں کچھ نہ فکرِ نشیمن
جہاں شام ہو جائے کر لے بسیرا
مسافر جو چل پڑتا ہی منھ اندھیرے
اندھیرے سے کرتا ہی پیدا سویرا

یہاں بند ہو کر ہی کھلتی ہیں آنکھیں
مجھی جس دم آنکھیں نہ میرا نہ تیرا

(۷۴)

کھو کے نظروں میں خود اپنا اعتبار آئی تو کیا
زندگی بن کر اگر شمعِ مزار آئی تو کیا
انقلابی شے نہیں ہی حال پر دل کی ہنسی
اختیاری شے اگر بے اختیار آئی تو کیا
سامنے آتی تو ہم دیکھ لیتے اک نظر
ہو گیا جب خاکِ گلشن پھر بہار آئی تو کیا
اہلِ دنیا کا تماشا بن گئے بے بال و پر
آشیاں سے دور یادِ شاخسار آئی تو کیا
ہو نہ قدموں میں سکت تو یادِ منزل کی عبث
ایک بار آئی تو کیا اور لاکھ بار آئی تو کیا

رات کو دن بھی بنا سکتے ہیں شعلے اشک کے
گلشنِ ہستی میں شبنم اشکبار آئی تو کیا

(۷۵)

فلک پہ پہونچا وہاں باریاب ہو نہ سکا
سکوتِ راز کا نالہ جواب ہو نہ سکا

گئی جو چہرہ تک ان کے بکھر گئی رُخ پر
کسی نظر سے مکمل نقاب ہو نہ سکا

وہاں وہاں مرے ٹپکے ہیں اشک نامے پر
جہاں جہاں بھی بیاں کامیاب ہو نہ سکا

سبھی ستارے ہیں دامن میں آنکھ کے ساقی!
سبھی کی نذر قبول انتخاب ہو نہ سکا

قریبِ آتشِ گل اور قطرۂ شبنم
اِدھر ٹھہر نہ سکا، آفتاب ہو نہ سکا

مرے شمار میں ہی صفر کی جگہ آنسو
مرے گناہوں کا مجھ سے حساب ہو نہ سکا

گرہ ہزار لگائی ہوا نے پانی میں
حباب بحر کا بندِ نقاب ہو نہ سکا

عجیب حُسن سے کھینچی حجاب کی تصویر
کہ جیسے حُسن سے خود ہی حجاب ہو نہ سکا

ٹپک رہا تھا ہر آنسو سے جلوۂ ساقی
زمانہ محرمِ چشمِ پر آب ہو نہ سکا

(۷۶)

رہا ہی دور میں پیہم شکستہ جام اپنا
ہے میکدہ کی بنا سوزِ ناتمام اپنا

جگہ تلاش کرا ے دل جہاں میں اپنی
مہ و نجوم بتاتے ہیں خود مقام اپنا

عجب وہ منزلِ دل ہے اُس آستاں کے قریب
گدا بھی پہنچ کے جہاں سوچتا ہے نام اپنا

اسیر اپنی ہی کوتاہیوں کی قید میں ہیں
ہے آدمی تو وہی جو نہ ہو غلام اپنا

ہیں اُن کے سامنے نظریں بھی اشک بھی دل بھی
جسے بنائیں وہ خود گلشنِ خرام اپنا

خدا ہی جانے کہاں ہے وہ راہِ شوق میں دل
جو ساتھ دے نہ سکا آپ چند گام اپنا

ہر ایک سانس یہ کہتی ہے آتے جاتے ہوئے
روا روی میں مسافر سمجھ قیام اپنا

فضا سے چند قدم آگے ہم قفس بڑھ جا
کرے نسیمِ چمن جب تک اہتمام اپنا

نظامِ عالمِ امکاں بجا مگر گویا
یقین رکھتا ہے اک اور ہی نظام اپنا

(۷۷)

بادہ و جام نہ ابر و مہتاب
لاکھ نیرنگ، بیک رنگ نقاب

کیوں نہ اشکوں سے شعاعیں پھوٹیں
عکس مہتاب سے روشن ہیں حباب

جیسے دل میں اتر آیا ساقی
اللہ اللہ وہ میکش سے خطاب

ساز دل کا ہے عجب حال نہ پوچھ
ہر دمِ سرد ہے گویا مضراب

(۷۸)

غمِ دل کی بہت بڑی ہے کتاب
دونوں عالم ہیں زیست کے دو باب

معتبر صرف غیب پر ایماں — اور جو کچھ خیال آئے، خواب
اشک غم کا کنارہ ڈھونڈتے ہیں — ربط ساقی سے ہی بہت کمیاب
ہے بڑی داستانِ غم دلکش — ایک ٹکڑا اسی کا ہی مہتاب
ذرّہ ذرّہ ہی سجدہ گاہِ نظر — اے گرفتارِ ممبر و محراب

حشر یوم مطالعہ گویا
سامنے نفس کے ہی اپنی کتاب ۱

(۷۹)

زندگی ہی انعکاس جلوۂ رخسارِ دوست — غیر ممکن ہی زبانِ عشق سے انکارِ دوست
آتی جاتی ہی مسلسل کتنی خاموشی کے ساتھ — سینے میں ہر سانس کے ہی منزلِ اسرارِ دوست
اشک پر دل کے نہ اے صبح حسیں تو مسکرا — قطرۂ شبنم سے بھی اوجھل نہیں سرکارِ دوست

دل جب ہی سے دل ہی جب کون و مکاں میں کچھ نہ تھا
ہی ازل کے روز ہی سے غاشیہ بردارِ دوست

(۸۰)

ہمہ محدود ہی اے دوست خدا نا محدود — کہ ہمہ اوست سے باہر ہی تلاشِ مسجود
چشم ادراک کی تا حشر رسائی معلوم — بالیقیں غیب پر ایمان مکمل ہی شہود

۱ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (قرآنِ پاک) اپنی کتاب پڑھ آج خود تیرا نفس تجھ سے محاسبہ کے لئے کافی ہے۔

سامنے پا کے انھیں یاد ہوا حال اپنا
اشک بھی اپنے نہیں قابلِ پائے مقصود

کھل کے آنکھیں یہ کہا کرتی ہیں بعدِ مردن
تھا کبھی اپنی نگاہوں میں بھی کچھ اپنا وجود

دورِ ہستی و عدم دیکھ ہر اک سانس میں ہے
سرِ میخانہ ہے پیمانۂ بود و نا بود

جہل بھی درد تہ جام ہی پی جا میکش
کیف سے خالی نہیں حجتِ انکارِ وجود[1]

(۸۱)

آدمی گھبرا گیا خونِ دل و جاں دیکھ کر
قطرہ بنتا ہی گھرا لاکھوں ہی طوفاں دیکھ کر

حیرتِ فکر و نظر ہے شانِ تعمیرِ چمن
پھول ہنس پڑتے ہیں کانٹوں کو نگہباں دیکھ کر

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
ہو گئے خاموش اکثر سوئے مژگاں دیکھ کر

شکوۂ دہر اور محبت، خوفِ غیر اور عاشقی
ہنستی ہے دنیا وفاؤں کو پریشاں دیکھ کر

کہہ رہی ہیں دل سے پھر نظریں نئی اک داستاں
غیب کے پردے سے کچھ بے ساز و ساماں دیکھ کر

پھر ہوا پروانوں کی محفل میں شورِ انقلاب
شمع نے انگڑائی لی شامِ غریباں دیکھ کر

دل کے ٹکڑے ڈھونڈتی ہے پھر نگاہِ درد آج
کیا خیال آیا خدا جانے گریباں دیکھ کر

(۸۲)

[1] ارباب بصیرت منکرینِ خدا کی جاہلانہ باتوں کو سنکر مسکرا ہی دیتے ہیں سہ خارما نگے اگر ثبوت بہار مسکرا نا کلی کا کافی ہے

شامِ غم میں بڑھ گئے کچھ اور امکانِ نظر
ہر طرف نزدیک تر ہی اُن سے ایمانِ نظر

پھوٹ نکلی آنسوؤں سے پھر بہارِ آرزو
اُن کی اک موجِ تبسم سو گلستانِ نظر

ماہ و انجم کر رہے ہیں دیدۂ تر کا طواف
اُن کے قدموں سے سرِ افلاک ایوانِ نظر

عالمِ حسرت میں اکثر خیر مقدم کے لئے
تھم گئے آنسو سرِ مژگاں بفرمانِ نظر

آنکھ ہی محوِ تمنا سامنے دل کے ہیں وہ
دید ہی بے دید بھی ہر وقت، قربانِ نظر

چند غم، دو چار آنسو، وہ بھی پلکوں کے قریب
ہم نفس کیا پوچھتا ہے ساز و سامانِ نظر

(۸۳)

سوزِ غمِ جاں اور تماشائے جہاں اور
نظّارہ کشاکش میں یقیں اور گماں اور

مٹ مٹ کے ابھرتا ہی جو ہر نقشِ تمنا
ہی انجمنِ راز خدا جانے کہاں اور

اب تک مہ و پروین ہی کے دھوکے میں ہیں آنکھیں
ہو ہو کے عیاں ہوتے ہیں اسرارِ نہاں اور

بے وجہ قیامت نہیں دنیا میں بہر دم
ہر ذرّے میں پنہاں ہیں ابھی لاکھ جہاں اور

میخانہ کسی حال میں محدود نہیں ہے
ہر دور میں ہوتا ہی نظامِ دل جاں اور

چونک اُٹھے جیسے سُن کے دل مشرق و مغرب
اک بار زمانے میں غمِ دل وہ اذاں اور

(۸۴)

عالمِ نقش و نگارش سے زرا دیکھ اُدھر — ہے سرِ موجِ تبسم ہی حدِ فکرِ بشر
ڈھونڈ کر ہار رہا خود کو یہ سمجھ میں آیا۔ — دور خورشید سے جب تک نہ منور ہو نظر
شرطِ احساس اگر ہی تو زمانہ کیا ہے — غم کی دنیا میں نہ کہیں شام ہے ہمدم نہ سحر
آپ سے دور نظر آتا ہے ذرہ ذرہ — منزلوں حدِ تعین سے، تعین باہر
اب تک انسان نے اتنی ہی ترقی کی ہے — آج تک نقشۂ منزل ہے سرِ راہگزر

آدمی گردشِ تقدیر کا قائل ہو محال
پائے ایماں ہو اگر اپنی جگہ محکم تر

(۸۵)

گھبرا نہیں اے دیدۂ تر صبر ذرا کر — موتی بھی بنا سکتے ہیں آنسو کو تپا کر
اے شاخ تجھے پھول کی خود آئے قسم ہے — ساتھی کو نہ کھو آپ کو کمزور بتا کر
دیوانوں کو آتی ہے ہنسی رنگ پہ تیرے — اے عقلِ وفا پیشہ نہ یوں خونِ وفا کر
ہستی ہے تری وہ گہرِ راز ہے جس کو — دامن میں لیا دل نے نگاہوں سے چھپا کر
خود دل کو بسانا ہو تو اپنی جہاں دنیا — رکھ لی کسی ویرانے میں اک شمع جلا کر
یوں بن کے بگڑ جانے سے منزل نہیں ملتی — اے نقشِ تمنا نہ سرِ راہ ہٹا کر
اے ذوقِ جبیں سائی وہ سجدوں کی جگہ ہے — دل عرش سے اوپر ہو جہاں سر جھکا کر
ہر ذرے میں صدہا ہیں ابھی جلووں کے عالم — اے ذوقِ نظر جذب و کشش دیکھ بڑھا کر

ہر سازِ شکستہ میں ہے آواز انھیں کی
آنسو جہاں خاموش ملیں جان لیا کر

(٨٦)

رہروِ منزل نہ گھبرا کوئی حائل دیکھ کر
فرش سے تا عرش ہوتے ہیں انھیں دل دیکھ کر

زندگی موجِ بقا ہے، موت گردابِ فنا
پھیر سے باہر نگاہیں، سوئے ساحل دیکھ کر

ہر ستارے میں نظر آتا ہے سوزِ جستجو
غم بڑھا آگے انھیں منزل بمنزل دیکھ کر

ایک ایسا وقت بھی انساں پر آتا ہے کہ جب
مسکرا اٹھتے ہیں آنسو جانبِ دل دیکھ کر

(٨٧)

اللہ اللہ اشک نظر آ رہے ہیں حرف
نامہ ہے کس کے نام کہ جا رہے ہیں حرف

اظہارِ درد اور زبانِ قلم، خموش
لفظوں میں دل دھڑکتا ہے ٹھہرا رہے ہیں حرف

ہر لحظہ بے قرار ہے دنیائے نقش نقش
منزل نہ جانے اپنی کہاں آ رہے ہیں حرف

ظاہر مآلِ گریۂ بے اختیار کا
مضمون خط کا سامنے خود لا رہے ہیں حرف

(٨٨)

ہر سمت آ رہے ہیں نظر انتظارِ شوق
ہے ان کی انجمن نگہِ اعتبارِ شوق

صرفِ چمن ہوں نقشۂ تعمیر سیکڑوں
چلتا نہیں ہے کام مگر بے بہارِ شوق

ساقی کو دور سے سرِ میخانہ دیکھ کر
آنکھوں میں اشک اشک ہی بے اختیارِ شوق

اللہ جانے کون ہے نظروں کے سامنے
دامن میں آنکھ کے ہی عجب لالہ زارِ شوق

ہر نقش، چشمِ دید ہی ہر ذرہ ایک دل
ہی رہگزارِ دوست ازل سے دیارِ شوق

کیسی صحنِ چمن یہ چمکتی ہیں بجلیاں
خود فطرتِ بہار نہ ہو بے قرارِ شوق

(۸۹)

گفتگو حیرت خاموشش، نظر فکرِ محال
محوِ نظارہ وہاں دل ہے جہاں حال نہ قال

آج تک آپ کو پہچان رہی ہی ہستی
آگیا تھا کہیں بھولے سے ذرا اپنا خیال

مردِ خود فہم یہ اک مصرعہ الہامی ہے
زندگی حال کے بعد ایک قدم استقبال

امرِ ممکن بنا ہر صورت ناممکن کو
زندگی اصل میں ہی معرکۂ حال و محال

(۹۰)

شرارِ دل ہی نہیں آنسوؤں کے سینے میں
رواں ہی کوثرِ ساقی بھی آبگینوں میں

نزولِ نورِ معانی دلوں میں ہوتا ہی
قسم ستاروں کی گرتے ہیں جو زمینوں میں[1]

چھپا رہے ہیں انھیں دل میں اسطرح آنسو
کہ جیسے جلوۂ ساحل نہ ہو سفینوں میں

[1] فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ (قرآن پاک)

جہان بھر یہ نظر ہے مگر نہیں خود پر
شعورِ نکتہ رسی گم ہے نکتہ چینوں میں

(۹۱)

حُسنِ شنیدہ اُ تجھے دیدہ نہ کیوں کریں
بے دیکھے اُن کو آنکھ سے دیکھا نہ کیوں کریں
لینا پڑے جو شوق میں دیوانگی سے کام
ہم آپ ہی سے اپنا تقاضا نہ کیوں کریں
اہلِ خلوص ارادۂ تعمیرِ میکدہ
بے اہتمامِ ساغر و مینا نہ کیوں کریں
دیوانگیٔ اہلِ خرد دیکھنے کی ہے
بالفرض اگر جنوں ہو تو پورا نہ کیوں کریں
ہے سانس سانس فرصتِ تعمیرِ زندگی
ہم دل سے قدرِ وقت کی گویا نہ کیوں کریں

(۹۲)

جہانِ فانی و باقی سمٹ آیا ہے انساں میں
دو را ہا آ کے ملتا ہے دلِ آباد و ویراں میں
سکوتِ شب میں مضرابِ نفس سے کام لے کوئی
بہت خاموش نغمے ہیں ابھی تارِ رگِ جاں میں
دو عالم ہیں ازل سے جس کی شرح نا تمام اب تک
نہیں اُس ذرّۂ غم کے سوا کچھ اور انساں میں
خودی ہی پست تو اے منکرِ معراجِ انسانی
سمجھ انساں عالم میں ہے یا عالم ہے انساں میں
مسلسل موج ہی خود پردۂ جوشِ جنوں نکلی
گریباں ہے نہ دامن میں، نہ دامن ہے گریباں میں

(۹۳)

قدم تمہارے دلوں کے غریب خانوں میں
خزانے عرش کے لوٹے ہوئے مکانوں میں

تعینِ مہ و پروین و اشک و شبنم کیا
حجاب اٹھا سرِ عنوانِ مہر فسانوں میں

چھڑک دیا تھا پسینا جبیں کا ساقی نے
کٹورے بھر لئے تاروں نے آسمانوں میں

شرار و برق تو افسانۂ حقیقت ہیں
وہ ہنس رہے ہیں کھڑے اپنے ترجمانوں میں

یہ حال اشکوں کا ہے یاد میں تری جیسے
پرند بیٹھے ہوں پر توڑے آشیانوں میں

کہاں سے لائیں زباں بہرِ شکر اے گویا
نہ ہو شمار جو اشکوں کا بے زبانوں میں

(۹۴)

درد کی منزل بھلا کر اُتنے ہی مسرور ہیں
جس قدر دل مذہب انسانیت سے دور ہیں

حشر تک ہوگی نہ مایوس طلب سعئ بلند
سینے سینے میں ابھی ذرّوں کے صد ہا طور ہیں

لطف سے ساقی بدل دے پھر نظامِ میکدہ
اشک دل اب تو بیانِ حال پر مجبور ہیں

(۹۵)

جو وجہِ حشر ہی خود حشر سے وہ کم تو نہیں
غمِ وجود سے بڑھ کر غمِ عدم تو نہیں

جسے میں فاصلہ سمجھا ہوں راہ و منزل کا
یہ درمیاں میں مری لغزشِ قدم تو نہیں

ہزار حیرت چشم و نظر ہوائے ساقی
خود اپنے سامنے محفل میں تیری ہم تو نہیں

(۹۶)

وہ آرہے ہیں وہ جا رہے ہیں
ہم اپنی آنکھیں بچھا رہے ہیں
خود اُن کے رستے میں داغ دل کے
چراغ بیٹھے جلا رہے ہیں
بہار گلشن اُن آنسوؤں کی
کہ جن میں غم مسکرا رہے ہیں
جہاں کھڑے ہیں خموش گویا
ادھر ہی ہر لحظہ جا رہے ہیں

(۹۷)

تبسّم بجلیوں میں ہے، تکلّم بے زبانوں میں
مگر کس کا یہ نکتہ گم ہے اب تک داستانوں میں
زمیں والوں کو دیدِ قرب سے بیگانہ جب پایا
تو جلووں نے نقاب الٹا ہے جا کر آسمانوں میں
زمیں پر آسماں سے بجلیوں کو بھیج دیتی ہے
بہت باقی ہے جب فطرت اندھیرا آشیانوں میں
یہ دنیا حسرت ناکام سے آباد ہے گویا
ہے گم ہر ذرّۂ صحرا، چمن کی داستانوں میں

(۹۸)

اگر نہ حسرتیں دنیا میں حشر اٹھا بیٹھیں — تو ایک کونے میں سارے حجاب جا بیٹھیں
چھپائے بیٹھا ہوں اسرارِ میکدہ ساقی — ترے جمال نہ اشکوں میں مسکرا بیٹھیں
وہ سب کو دیکھینگے اُن کو نہ کوئی دیکھے گا — اٹھا کے پردہ وہ ششدر نظر میں آ بیٹھیں
ہے میکشوں کی نگاہوں میں تیری یکتائی — قریب دل کے تری انجمن میں کیا بیٹھیں

(۹۹)

ورائے دور ساقی کے اشارے اور ہی کچھ ہیں
امید و بیم میں عالم ہمارے اور ہی کچھ ہیں

وفائیں آتشِ نمرود ہی میں گل کھلاتی ہیں
جو بن جاتے ہیں شبنم وہ شرارے اور ہی کچھ ہیں

نویدِ امن و راحت ہے سبکسارانِ ساحل کو
مگر اہلِ تلاطم کے نظارے اور ہی کچھ ہیں

گریباں دیکھ کر کب چاکِ دامن یاد آتا ہے
نظارے چاک و دامن کے کنارے اور ہی کچھ ہیں

ہوا کرتے ہیں ظلمت میں جو چاروں سمت کشتی کے
ستاروں میں وہ منزل کے سہارے اور ہی کچھ ہیں

(۱۰۰)

جوشِ دریا کا ہی موجِ غم میں | ہم کی آواز نہیں ہی ہم میں
سامنے رکھ کے دلِ ویراں کو | وہ نظر آتے ہیں ہر عالم میں

خود تری ہستی کی گویا ہی مثال
دیکھ! کچھ اور نہیں شبنم میں

(۱۰۱)

کوئی کلام بھی گویا حدِ سخن میں نہیں | زبان رکھتے ہیں آنسو مگر دہن میں نہیں
نظامِ روح و بدن بھی عجب معمّا ہی | وہ پیرہن میں ہی جلوہ جو پیرہن میں نہیں

نگاہ اور کہیں ہی بہار اور کہیں
چمن میں بہ کے بھی اشک سحر چمن میں نہیں

(۱۰۲)

شرحِ جمالِ جلوۂ جانانہ کیا کروں | روزِ ازل سے ہوں سرِ افسانہ کیا کروں
اے چشمِ تر چھپاؤں میں کیوں کر جمالِ دوست | ہر اشک بن رہا ہی جلوہ خانہ کیا کروں
دل ہی طوافِ دوست میں چکر میں آسماں | لے کر مہ و نجوم کا میخانہ کیا کروں

دنیا بسا رہا ہوں دلوں کی جمال سے
گویا میں اور خدمتِ ویرانہ کیا کروں

(۱۰۳)

نہ رستا لے کے آیا ہوں نہ منزل لے کے آیا ہوں
میں خاکِ پا رہ و منزل کا حاصل لے کے آیا ہوں

میں پروانہ ہوں ہر ذرّہ کو پروانہ بناؤں گا
میں محفل تک مسلسل شمعِ محفل لے کے آیا ہوں

دھڑکتا دل، تنفس تیز، آنکھیں نم، دمِ پرسش
غمِ مشکل کو میں لب تک بمشکل لے کے آیا ہوں

جہاں دیکھوں گا بے پردہ انھیں دل میں بٹھاؤں گا
غبارِ راہ ہوں پہلو میں محمل لے کے آیا ہوں

مرا ذوقِ جبیں اب تک ستاروں میں جھلکتا ہے
میں ان کے نقشِ پا منزل بمنزل لے کے آیا ہوں

ہجومِ شوق، قربِ آستاں، یہ فیصلہ مشکل
مجھے دل لے کے آیا ہے کہ میں دل لے کے آیا ہوں

بھنور میں جو بھی کشتی ہو نہ ہو مایوس رحمت سے
بڑی رحمت ہے میں پیغامِ ساحل لے کے آیا ہوں

(۱۰۴)

دردِ دل بہرِ نظر، لاکھ جہاں رکھتے ہیں
نہیں معلوم نگاہوں کو کہاں رکھتے ہیں

اُن کی محفل میں انھیں پوچھتے ہیں محفل سے
محرمِ رازِ عیاں کو بھی نہاں رکھتے ہیں

بات کرنے کی اجازت ہے انھیں محفل میں
منہ میں جو شمع کی مانند زباں رکھتے ہیں

ہو سویرا ہے یہ خورشیدِ قیامت کیا ڈر
ہم بھی پہلو میں شبیہِ غمِ جاں رکھتے ہیں

سب کو پردوں میں نظر آتے نہیں بے پردہ
وہ یقیں والوں کو بے وہم و گماں رکھتے ہیں

کسی طوفاں سے نہ تو اے دلِ ناداں گھبرا
موجِ ہستی کو تلاطم ہی رواں رکھتے ہیں

ڈھونڈنے والے سمجھتے ہیں مقاماتِ جبیں
سامنے آنکھ کے منزل کے نشاں رہتے ہیں

موج پائی نہیں جاتی کہیں دریا کے بغیر
دور انساں کو حقیقت سے گماں رہتے ہیں

(۱۰۵)

اس کو نگاہ پائے کیوں اشک ہی بن نہ جائے کیوں
جو ہو جمالِ چشمِ نم، آنکھ کے آگے آئے کیوں

ذرّہ خاکِ آستاں اور رہینِ غیر ہو!!
جو ترے در پہ ہو مٹا حشر اُسے اٹھائے کیوں

محوِ نجومِ آسماں، دیکھ ہے کون سامنے!
صبح کے وقت آنکھ میں اشک نہ جھلملائے کیوں

کون و مکاں کے ہر طرف جس کی کشش محیط ہو
اس کے طواف کے بغیر دل کو قرار آئے کیوں

اس کے بغیر تو نہیں اپنے وجود کا یقیں
جو ہو سراپا دیدہ ہی آنکھ کو آزمائے کیوں۔

خوابِ عدم سے جاگ کر سوئے نہ جو تمام عمر۔
موت اُسے سلائے کیوں حشر اُسے جگائے کیوں

جلوۂ انبساط سے دل کی کلی قریب ہے
اپنا چمن نسیم جاں ڈھونڈنے دور جائے کیوں

(۱۰۶)

منزل کے پاس چند نقوشِ خرام ہیں
حاصل تمام راہ کے دو چار گام ہیں

اِک چشمِ التفات ہزار اہتمام ہیں
سعیٔ تمام یہ ہے کہ ہم ناتمام ہیں

ساقی نہ مُلتفت ہو تو دریا کوئی بہائے
مقبول ہوں تو اشک پیام و سلام ہیں

ہر ذرّہ کہہ رہا ہی کہ حیرت میں ڈوب جا
کتنے خموش فکر و نظر کے مقام ہیں

اُن سے نہ پوچھ وسعتیں بحرِ محیط کی
جو دور رہنِ ساغر و مینا و جام ہیں

شوق نیاز و سجدہ گہ و سنگِ آستاں
گویا یہ دل کی بعض وفاؤں کے نام ہیں

(۱۰۷)

دید میں حدِّ جلوہ گاہ کہاں
خود نگاہی میں خود نگاہ کہاں

منفعل کیوں ضمیر ہوتا ہی
ہم نہیں کچھ تو پھر گناہ کہاں

آرزو ہے ازل سے رستے میں
شوق منزل میں حدِّ راہ کہاں

شکر یارب ترے شہیدوں کا
تہ شمشیر لب پہ آہ کہاں

کیوں جھلک اٹھتے ہیں خدا جانے
اشک ممنونِ مہر و ماہ کہاں

(۱۰۸)

تجھی سے تجھے اے خدا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

الٰہی زمانے کو منزل مبارک
میں گردِ رہِ مصطفٰے (صلے اللہ علیہ وسلم) چاہتا ہوں

زبانِ گدا ہے ہر اک اشک گویا
خدا جانتا ہے میں کیا چاہتا ہوں

(۱۰۹)

کون کہتا ہے درِ عرش و فلک باز نہیں
کونسا اشک ہی جو مائل پرواز نہیں

تیرے در پہ ہی جبیں سائی ہی معراجِ یقیں
کون سجدہ ترے قدموں سے سرافراز نہیں

اپنے احساس سے باہر دلِ ناداں آجا
پھر غمِ دوست میں کوئی خللِ انداز نہیں

آج اس بزم میں کیا چاروں ہی طرف اے رونق
تیری تصویر ہے لیکن تری آواز نہیں

(۱۱۰)

برسوں سے اعتبار کو سمجھا رہا ہوں میں
پیہم انھیں قریبِ نظر لا رہا ہوں میں

(ق)

ہر سانس میں جدھر سے چلا آ رہا ہوں میں
ہر سانس میں اُدھر کو چلا جا رہا ہوں میں

ہمدم نہ پوچھ منزلِ ہستی عجیب ہے
خود اُس کی جستجو ہی جسے پا رہا ہوں میں

؎ مجبی سید رونق علی رونق مرحوم۔

تصویر دید کھینچ کے پردے پر آنکھ کے
گویا غمِ نگاہ کو بہلا رہا ہوں میں

(۱۱۱)

ہر گام پر جھکا کے تہِ دل سے سر کو میں
پہچانے جا رہا ہوں تری رہگزر کو میں

دل سے تو کہہ دیا کہ وہ دل سے قریب ہیں
سمجھاؤں کس طرح سے امیدِ نظر کو میں

اے حیرتِ نظر نہ کوئی اور دیکھ لے
کیوں بار بار دیکھتا ہوں بام و در کو میں

خود میری حسرتیں نہ ہوں اُن کا نقابِ رُخ
دیکھوں گا آج غور سے اپنی نظر کو میں

آنسو بنا، شرار بنا، طور پر اڑا
جو رازِ دل بتا نہ سکا چشمِ تر کو میں

(۱۱۲)

موج و حباب و بحر خود اک سلسلے میں ہوں
تشنہ لبی نہ پوچھ عجب میکدے میں ہوں

منزل کہاں کہ بعد ازل جب نظر اٹھی
معلوم یہ ہوا کہ ابھی راستے میں ہوں

ہر ذرہ کہہ رہا ہی کہ ہو جا مجھی میں گم
ہر گام پر نظر کے عجب مرحلے میں ہوں

مجھ کو بھی اپنے حُسنِ مقدر پہ ناز ہی
مضمر نگاہِ دوست ترے فیصلے میں ہوں

اِک امتثالِ امر ہی گویا مرا وجود
اپنے کہے میں ہوں نہ ترے کہے میں ہوں

(۱۱۳)

راہی تو راستا پھولوں میں بہک جاتے ہیں — اچھے پھولوں سے وہ کانٹے جو کھٹک جاتے ہیں
شبِ مہتاب ستاروں کا نہیں ہے حصہ — اُن سے بڑھ کر کبھی آنسو بھی جھلک جاتے ہیں
کیا اُسی کا تو نہیں نامِ تجلیِ جمال — آنسوؤں میں کبھی شعلے سے لپک جاتے ہیں
نکہتِ دوست نہیں رہتی ہے محدودِ فضا
دل مہکتے ہیں تو دارین مہک جاتے ہیں

(۱۱۴)

شوق اتنا مائلِ پرواز ہو — ہر جگہ آغاز ہی آغاز ہو
آشیاں ہو یا چمن یا شاخِ گل — ہے قفس جو مانعِ پرواز ہو
مشکلیں آسان اپنی حد میں ہیں — آدمی توحید سے ممتاز ہو
بندۂ گویا ہے یوں در پہ خموش
دل کو یہ معلوم ہے تم راز ہو

(۱۱۵)

جو خود شناس ہو وہ غیر آشنا کیوں ہو — جو ہو نظر میں تری تجھ سے وہ جدا کیوں ہو
بھرے ہیں دیدۂ پرنم میں التفات کے پھول — بہارِ شکر نگاہوں میں ہے گلہ کیوں ہو
ہلاکِ رنگِ حجابات ہر تمنا ہے — جسے نہ آنکھ سے دیکھا ہو وہ چھپا کیوں ہو

ہزار فاصلے طے ہوتے ہیں نگاہوں میں — نظر کے سامنے منزل ہو راستا کیوں ہو
خلوص عشق سکھاتا ہے، مطمئن ہو جا — سکون قلب کو بے ترک مدعا کیوں ہو
رہیں ساغر و مینا نہیں ہیں نظارے — نظر میں خود جہاں ساقی ہو میکدہ کیوں ہو
جہان لالہ و گل سے گزر کے ڈھونڈ انھیں
بہار دھر خود ہی اپنی انتہا کیوں ہو

(۱۱۶)

بڑھا اور آگے زرا تو نظر کو — جہاں تو نہ ہو خود وہاں دیکھ ادھر کو
کوئی سوز دل ہو کہ نغمہ کہ آنسو — نظر تک ہی لاتا رخ جلوہ گر کو
جو ہو آنکھ والا وہ پردہ اٹھائے — ملی ہے کرن رخ کی قلب بشر کو
بہایا کرے لاکھ موتی سمندر — گہر آتے ہیں کب نظر بے گہر کو
چمن ہی معانی کا نظروں میں گویا
کھلا کرتے ہیں پھول دل میں سحر کو

(۱۱۷)

گدائے در کو احساس زمین و آسماں کیوں ہو — جہاں ہو ہوش اپنا خود وہ اُن کا آستاں کیوں ہو
نگاہ نارسا ہی آج تک خود اپنے دھوکے میں — جہاں تنہا وہی ہوں دوسرا کوئی وہاں کیوں ہو
غرض فریاد سے حرف اپنا سننا ہو اگر گویا — تو دل میں مسکرائے کوئی پھر محو فغاں کیوں ہو

(۱۱۸)

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی تو ہو
ہمزباں کوئی تو ہو اور رازداں کوئی تو ہو

خلق سے بیزار ہو کر آدمی جائے کدھر
راستا گم ہو جہاں منزل وہاں کوئی تو ہو

سیکڑوں دنیائیں یارب ذرّے ذرّے سے خورشید تک
دل کا بہلاؤ، خیالِ آشیاں کوئی تو ہو

خود ہوں وہ یا درد اُن کا یا تمنا درد کی
دل میں دل کی زندگانی کا نشاں کوئی تو ہو

کوئی پردہ چاہیئے ہی بہرِ تکمیل جنوں
غم ہو یا دل ہو، حجاب درمیاں کوئی تو ہو

غم کا ساتھی دور تک کوئی نظر آتا نہیں
سامنے دل کے زمین و آسماں کوئی تو ہو

درپئے الطاف ہو دنیا جہاں گویا وہاں
مہربانی کے لئے نامہرباں کوئی تو ہو

(۱۱۹)

سحر کا ستارہ دمیدہ دمیدہ
ہیں شبنم کی نظریں پریدہ پریدہ

خدا جانے دل کی نگاہیں کہاں ہیں
عجب ماجرا ہے شنیدہ نہ دیدہ

کسے ڈھونڈھتا ہے ہر اک نقشِ ہستی
نظر آرہا ہے رمیدہ رمیدہ

مرقع ہی فکر مصوّر کا گویا
یہ کہتی ہے ہر صورتِ آفریدہ

(۱۲۰)

کھلیں کلیاں نہ دل کی دل میں کیوں آہستہ آہستہ
کھلا کرتے ہیں اسرارِ دروں آہستہ آہستہ

نظر کے سامنے ہی موج کا طوفان بن جانا
ترقی کرتا ہی جوشِ جنوں آہستہ آہستہ

دھڑکتا دل، ادب مانع، قدم لرزاں، نظر حیراں
حریم ناز کی جانب بڑھوں آہستہ آہستہ

خدا وہ وقت لائے اُن کا در ہو اور جبیں میری
سمجھ میں آئے گا میں کون ہوں آہستہ آہستہ

زمیں پھولوں کی تاروں کا فلک ہے راستے دل کے
چلا آتا ہے حسن گونا گوں آہستہ آہستہ

شہیدانِ وفا کا خونِ ناحق رنگ لاتا ہی
گزرتی ہی فلک سے موجِ خوں آہستہ آہستہ

غمِ دل کی کہانی خود ہی کہہ کر خود ہی سنتا ہی
کہوں آہستہ آہستہ، سنوں آہستہ آہستہ

(۱۲۱)

آنسو جہاں سے تجھ سے کہیں آنکھ اٹھا کے دیکھ
اپنی طرف وہاں سے نظر مسکرا کے دیکھ

وہ تیرے اعتبار سے ہیں تیرے سامنے
تو اُن کے اعتبار سے نظریں اُٹھا کے دیکھ

راز آشنا نہیں ہی ستاروں کی روشنی
پروانے کے غبار کو شمعیں جلا کے دیکھ

ہر موجِ بیقرار سے ساحل قریب ہی
طوفان میں سفینۂ ہستی بہا کے دیکھ

(۱۲۲)

کلی مسکراتی غریب الوطن تھی
چمن ہی کے اندر تھی اور بے چمن تھی

غمِ دل کی دنیا مسلسل تجلی — ہر اِک ذرے میں اِک نئی انجمن تھی
منور تھے جس سے حجاباتِ عالم — فقط دل میں اِک اُن کے رخ کی کرن تھی
کوئی داستاں پڑھنے والوں سے پوچھے — جبینِ سحر پر کہاں تک شکن تھی
محال اس کی جانب اشارہ، بیاں کیا
خموشی میں گویا جو شمعِ سخن تھی

(۱۲۳)

آنکھ ہی محوِ تبسم، گل بداماں زندگی — اشکِ رنگیں کی تجلی سے گلستاں زندگی
اِک نظر دیکھا تھا ساقی نے کبھی سوئے فلک — آج تک اِک اِک ستارے میں ہے رقصاں زندگی
دیکھ کر اُن کی طرف کچھ اور ہی آیا نظر — تھی زمیں سے آسمانوں تک فروزاں زندگی
بعدِ تخلیقِ جہاں ہیں حشر کے معنیٰ یہی — پوری ہو گی آگے ہی چل کر نمایاں زندگی
شوق ساحل میں سمندر بن کے بھی بے چین ہے — رہ نہیں سکتی کبھی محدودِ داماں زندگی
ہو نصیب اس کا میسر ہو قدمبوسی جسے — سب سے بہتر ہے غبارِ کوئے جاناں زندگی
پہلے پھیلا بعد کو سمٹا ہے نخلِ کائنات
ہے گلِ توحید سے پہلے پریشاں زندگی

(۱۲۴)

آرزو حسرتِ آرزو نہ ہوئی — خامشی سے بھی گفتگو نہ ہوئی

اشک خود بہ بن گئے دریا — آنکھ شرمندۂ سبو نہ ہوئی
پاس تھی اتنی، دور سے منزل — ہم سے خود اپنی جستجو نہ ہوئی
مسکرا ہی کے رہ گیا آنسو — اور تفسیرِ رنگ و بو نہ ہوئی

(۱۲۵)

ہم کو دنیا نہ دکھائیں یہ وخورشید اپنی — ظلمتِ غم میں بھی آنکھیں نہیں لے دید اپنی
ہیں بہر لحظہ نئے جلوۂ رنگیں کے لباس — زیست محسوس نہیں کرتی ہی تجدید اپنی[۱]
دور تک پہونچی ہیں ہلتی ہوئی دل کی کڑیاں — شکر ہے غیر مسلسل نہیں امید اپنی

حد سے جب اپنی گزر جاتے ہیں آنسو گویا
آپ ہر دل سے کرا لیتے ہیں تقلید اپنی

(۱۲۶)

چلی آتی ہیں موجیں اک جمالِ گل بداماں کی — بنائیں ہر قدم پر ڈالتی سو سو گلستاں کی
کھلا کرتی ہیں کلیاں آنکھ میں دل کے گلستاں کی — دمِ نظّارہ نظریں پھول برساتی ہیں انساں کی
نہ دل سمجھا، نہ غم سمجھے، نہ دنیا سازو ساماں کی — یہ کیا ہر گوشیاں تھیں چپکے چپکے اشکِ مژگاں کی
لئے بیٹھا ہوں آنسو دیر سے داماں مژگاں میں — سراپا داستاں ہیں شبنم و برگِ گلستاں کی

[۱] مشاہدۂ تجدد امثالِ حیات۔ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ (قرآن پاک) یقیناً وہ ہر لحظہ نئے تخلیقی لباس میں ہیں۔ زندگی اپنی منزل منتہا کی طرف مسلسل، یعنی شان سے بڑھتی ہے کہ ہر لحظہ اگلی ترقی یافتہ صورتیں پچھلی صورتوں کی جگہ لیتی رہتی ہیں۔ یہی تجدد امثالِ حیات ہے اور یہی حیاتِ مسلسل ہے۔

دلِ بے تاب تجھکو تو تڑپنا ہی نہیں آتا
شرار و برق تصویریں ہیں اک حسنِ خراماں کی
حذر اے سوزِ نظارہ کہ لو دینے لگے آنسو
حبابوں نے شعاعیں چھوٹ نکلیں آتشِ جاں کی
نظر آتی نہیں تعمیر کی کوئی جہاں صورت
وہاں سجدے ہی رکھتے ہیں نئی بنیادیں امکاں کی
مرے اشکوں کی فطرت ہے مسلسل جستجو گویا
ستارے منزلیں طے کر رہے ہیں کوئے جاناں کی

(۱۲۷)

اگر وہ سامنے آتے تو ہستی ہی نہیں ملتی
نظر آتا نہ سجدہ ہی نہ ڈھونڈے سے جبیں ملتی
غمِ دنیا نگاہوں میں غمِ دنیا نہیں رہتا
حجاب اُٹھ جاتے نظروں سے اگر چشمِ یقیں ملتی
اگر او جھل نہ ہو جاتی رہِ آغاز نظروں سے
قیامت تک ہر اک ذرے میں منزل واپس ملتی

(۱۲۸)

دل اگر عفو کوش ہو کوئی
کیوں نہ پھر پردہ پوش ہو کوئی
بے سبب بے خودی سے کیا حاصل
وجہ بیہوشی ہا ہوش ہو کوئی
ہے سکوتِ گداہی حُسنِ طلب
اب جہاں تک خموش ہو کوئی
شاخِ گل اور قطرۂ شبنم
کس لئے بارِ دوش ہو کوئی
بات دیدار کی ہے اور ہی کچھ
لاکھ گویا خموش ہو کوئی

(۱۲۹)

افکار کی کثرت میں انھیں ڈھونڈھ سلامی
نزدیکِ جمعیت ہی پریشان مقامی

کیا دیدۂ تر ہیں تری دنیا کی بہاریں
محدودِ گلستاں نہیں وہ جلوہ خرامی

کس موج کو حاصل نہیں دریا کی حمایت
خود اپنا جو حامی ہی خدا اس کا ہی حامی

اِک حرف ہی بس دفترِ ہستی کا خلاصہ
ہستی سے بہت دور ہی ہستی کی غلامی

ممکن ہی نہیں ہی چمنِ دہر کا انکار
اللہ غنی حُسن کی محبوب کلامی

سجدوں کو بھی آتا ہی جبینوں سے تڑپنا
ہو جتنا بھی اونچا ترا ایوانِ گرامی

اپنا ہی غبار آپ اُڑانا نہیں آتا
ہے پردۂ دنیا میں غمِ عشق کی خامی

ہے جس کی جھلک ہر دلِ آزاد میں اب تک
اُس صبح کو زنداں کی نہ پہونچا کوئی شامی[1]

اِک ذرۂ ناچیز کی کیا ہی شبِ ظلمت
تو رحمتِ دارین ہی اے ماہِ تمامی

ہیں گردِ قدم کی بھی نگاہیں تری جانب
مانا کہ ہیں نزدیک بہت سعدی و جامی

(۱۳۰)

گم نظر آئی فضائے آگہی
اللہ اللہ انتہائے آگہی

محرمِ اسرار، محفل میں خموش
مدعی، ناآشنائے آگہی

[1] اُس زندانِ شام کی طرف اشارہ ہی جس میں اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام بعد واقعۂ کربلا گرفتار رکھے گئے تھے

سر جھکا کے رفعتِ ادراک دیکھ
نقشِ پا اُن کے سمائے آگہی

(۱۳۱)

بہ لحاظِ رازِ حُسن، نظر درمیاں رہے
دل سے نگاہ اُٹھے تو پردہ کہاں رہے

شبنم بس اتنی دیر رہی اپنے آپ میں
اشکوں میں جتنی دیر کوئی داستاں رہے

اشکِ گدا ابھی تیرے ستاروں کے ساتھ ہیں
اے کارواں کے چاند ترا کارواں رہے

اے آنکھ آنسوؤں سے تو کر لے ذرا وضو
پھر دید کی نماز سرِ آستاں رہے

(۱۳۲)

پھر دورِ تمنا، مرا پیمانہ مجھے دے
ہی سارا جہاں میرا ہی افسانہ مجھے دے

میخانۂ ہستی میں ہی دل نائبِ ساقی
میری ہے کلیدِ درِ میخانہ مجھے دے

باز آیا میں ہر روز کی دریوزہ گری سے
للہ تو میرا دلِ دیوانہ مجھے دے

یہ صبح کا تارا ہی فلک تیرا کہ میرا
لا میرا چراغِ سرِ میخانہ مجھے دے

معلوم حجاباتِ دو عالم کی حقیقت
توفیقِ نظر جلوۂ جانانہ مجھے دے

کچھ زیرِ فلک کام نہیں آہ و فغاں کا
پھر جذبۂ دل نعرۂ مستانہ مجھے دے

(۱۳۳)

دل کا اندازہ بہت سادہ ہی شیشۂ مے میں خطِ بادہ ہی

دیکھ ساقی کی نظر سے دل کو قطرہ دریا کا فرستادہ ہی

عشق کی جیبِ تمنا خالی روزِ آغاز سے دلدادہ ہی

کس طرح راہ سے گزرے کوئی ساتھ قدموں کے غمِ جادہ ہی

کہتے ہیں اشکِ ندامت گویا

مغفرت عفو پر آمادہ ہے

(۱۳۴)

پھر دل میں کوئی ٹیس اٹھی پھر اشک آنکھوں میں بھر آئے

پھر ہوش ہوا اس کا ساقی ہم تیری طلب میں کدھر آئے

تو بھی ہی وہی عالم بھی وہی میخانہ و بادہ سب کچھ ہے

کیا ہم سے ہوئی تقصیر ایسی جب آنکھ اٹھے دل بھر آئے

آئی یہ صدا اے دیوانے، بے کار ترے یہ افسانے

پروانے نہ ہوں جب پروانے، سینوں میں ضیا کیوں کر آئے

(۱۳۵)

دور جہاں نہ رہ سکے اپنے جمالِ راز سے

اشک وہیں ٹپک پڑے دیدۂ امتیاز سے

گزرا کوئی ضرور ہے راہِ سرِ نیاز سے
سجدوں میں نور آ گئے حُسنِ خرام ناز سے
ہوشِ عدم کے بعد ہی کشمکشِ وجود ہی
کھولی ہے آنکھ زیست نے خوابِ شبِ دراز سے
جذبۂ شوق دیکھئے پہونچے تڑپ تڑپ کے دل
درگہِ بے نیاز میں راہِ سرِ نیاز سے

(۱۳۶)

زندگی موجِ گریزاں ہے اسے کیا کہئے
چاکِ دامن ہی گریباں ہے اسے کیا کہئے
آنکھ تو سینے میں آنسو کو چھپائے لیکن
قطرہ پروردۂ طوفاں ہے اسے کیا کہئے
خود فریبی کا نہیں کوئی بھی دنیا میں علاج
آدمی کچھ بھی ہو انساں ہے اسے کیا کہئے
فطرتِ عشق تو آزادِ جہاں ہے گویا
عقل پابندیٔ زنداں ہے اسے کیا کہئے

(۱۳۷)

سرِ مژگاں نئے عنوان ہیں افسانوں کے
شکل اشکوں کی ہے انداز ہیں طوفانوں کے
دیدۂ تر سے کوئی کہہ دے، ذرا تھم تھم کر
بند دروازے ہوئے جاتے ہیں میخانوں کے

دَورِ اسلاف کا شاہد ہے ابھی میخانہ
بارہا دن پھرے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

(۱۳۸)

کہیں خود در دیارب مدعائے دل نہ بن جائے
غمِ لاحاصلی بڑھ کر، غمِ حاصل نہ بن جائے

طلب کا بن سمندر یا غمِ دل یعنی ڈال آنسو
یہ موجِ آنکھوں میں گر اپنا خود ساحل نہ بن جائے

قدم انسان کامل کے جبیں افروزِ عالم ہیں
فضا کا ذرّہ ذرّہ کیوں مہ کامل نہ بن جائے

نہیں رہتا ہی کوئی ساجد و مسجود میں پردہ
اگر خود فاصلہ دل کا حدِ فاصل نہ بن جائے

ہی نسبت قدرتی ہر حال و استقبال میں گویا
روش خود حال کی کیوں راہِ مستقبل نہ بن جائے

(۱۳۹)

چند آنسو تری سرکار میں دیوانے کے
ہوں جو مقبول تو دریا ترے میخانے کے

لائی ہے در پہ ترے ذرّہ نوازی کی امید
شمع کے سامنے کیا سوز ہیں پروانے کے

تیرے قدموں پہ ٹپکتے ہیں جو پیہم آنسو
سب وہ عنوان ہیں ساقی مرے افسانے کے

دردِ دل کون یہاں تیرے سوا سنتا ہے
خواب سننے کے ہمارے نہ کہے جانے کے
تیرے قدموں ہی پہ مٹ جائیں گے دل کے آنسو
غیر کے سامنے دامن نہیں پھیلانے کے
میرے اشکوں کو وہی ظرف عطا کر ساقی
جو سمندر ہی بہا دیں ترے میخانے کے
میری فریادوں میں وہ سوزِ محبت بھر دے
پھول کھل جائیں دلوں میں ترے کاشانے کے
حشر سو بار زمانے کے اٹھائیں لیکن
اُٹھ کے در سے ترے دیوانے نہیں جانے کے
سامنے تیرے غم دل کا مرقع ساقی
سینوں میں کھول دے در اپنے جلو خانے کے

(۱۴۰)

کیوں بھرِ دم یہ حشرِ ہستی ہے	روز دنیا اجڑ کے بستی ہے؟
دیکھ شعلوں میں شانِ ابراہیمؑ	حق پرستی تو حق پرستی ہے
خلق سے بے نیاز اشکوں پر	رحمت اللہ کی برستی ہے

(۱۴۱)

تقدیر اس کی پونچھ مہ و آفتاب سے
آنسو وہ جس کے پونچھ رہے ہوں نقاب سے

مجرم نے انفعال سے جب سر جھکا لیا
سو سو حجاب اٹھا لئے اک اک حجاب سے

ہستی نے دل سمجھ کے اُسے بھی چھپا لیا
جھلکی تھی کوئی موجِ تجلی نقاب سے

ساقی یہ کہہ رہا تھا کہ ہے خود شناس کون
میکش نے پاؤں چوم لئے اضطراب سے

(۱۴۲)

بندگی عشق ہی کا کام بھی ہے
عشق ہی حدِّ احترام بھی ہے

غم کا اِک دوسرا انتظام بھی ہے
دورِ ساقی بغیرِ جام بھی ہے

کیوں تڑپتی ہے موج کیا جانیں
عشق ہی کا خلوص نام بھی ہے

نہیں معلوم ہیں کہاں نظریں
بزمِ دیدار، بے مقام بھی ہے

جو بھی کچھ دیکھا کچھ نہیں دیکھا
خواب ہی تک خیال خام بھی ہے

آدمی آدمی کا ہو دشمن!!
آدمی خود پر اتہام بھی ہے

(۱۴۳)

محشر ترے لئے ہے نہ دنیا ترے لئے
ہر بزم میں جمال ہے تنہا ترے لئے

کیا پوچھتا ہی تو حدِ وارفتگیِ شوق ۔ — گزرا ہے ہر جہان سے رستا ترے لئے

سرمایۂ حیات تلاشِ دوام ہے ۔ — ساحل سے دور بہتا ہی دریا ترے لئے

ہے سانس سانس تیری مسلسل ہی دوڑ میں — بے اہتمامِ ساغر و مینا ترے لئے

تو ہی کہاں نجوم سمٰوات فرشِ پا — آنکھیں بچھا رہا ہی زمانہ ترے لئے

رب نے بنا دیا ہی اُسے تیری زندگی — جس موج میں نہیں ہی کنارا ترے لئے

عالم تمام گلشنِ یک موجِ آرزو — کافی ہی اِک نظر کا اُٹھانا ترے لئے

ہے تیری تشنگی ہی کا میخانہ عرش تک — رہتی نہیں ہی جام میں صہبا ترے لئے

آتا ہی جو نظر سرِ مژگاں کبھی کبھی — صبحِ ازل کا ہے وہ ستارا ترے لئے

جلوے ہزار پردوں سے باہر چمن چمن — ہستی کا راز انجمن آرا ترے لئے

نا شکر پھر بھی دل ہو تو ظالم ہی اُس سا کون
شکرِ کرم ہے اُسوۂ حسنیٰ ترے لئے

(۱۴۴)

وہ دیکھ کون شام غریباں کے ساتھ ہی — اِک اِک نگاہ اُس مہِ تاباں کے ساتھ ہی

دیر و حرم میں جس کے ہیں سامان انتظار — وہ اِک گدائے بے سر و ساماں کے ساتھ ہے

محرومِ التفات نہ جانِ آہِ سرد کو — جانِ بہار بھی نفسِ جاں کے ساتھ ہے

بے پایاں اعتماد، نشانِ جلیلِ قرب — رحمت بڑی امیدِ فراواں کے ساتھ ہے

(۱۴۵)

خدا جانے کیا اعتبار آ رہا ہے
ہر آنسو نظر بے کنار آ رہا ہے

کہیں ہیں وہ نزدیک ہی اے غمِ دل
خیال اُن کا کیوں بار بار آ رہا ہے

نجانے ہیں کیا غیب میں ساز و ساماں
نظر دامنِ تار تار آ رہا ہے

ہر اک زخم دل کا ہی محوِ تبسم
کوئی جانبِ لالہ زار آ رہا ہے

کِھلی جاتی ہیں خود بخود دل کی کلیاں
یقیناً وہ جانِ بہار آ رہا ہے

ہوں ترکِ نشیمن پہ مجبور طائر
ہے محشر قریب اعتبار آ رہا ہے

بنائے گا دنیا نئی اور گویا
جو اڑ کر دلوں کا غبار آ رہا ہے

(۱۴۶)

نظر جب آ کے دل میں ساقیِ میخانہ رہتا ہے
ہمیشہ دور اک بے ساغر و پیمانہ رہتا ہے

حدوں میں اپنی ہی پروانہ ہر پروانہ رہتا ہے
بڑھے آگے تو بنکر شمع کا افسانہ رہتا ہے

رہا کرتی ہیں دل کی سوئے در یوں منتظر نظریں
چراغ خانہ جیسے کہ سرِ کاشانہ رہتا ہے

وہیں تک سامنے نظروں کے رہتا ہے جہاں گویا
جہاں تک آدمی خود آپ سے بیگانہ رہتا ہے

(۱۴۷)

مدت ہوئی نگاہ کا احساں لئے ہوئے
گم آج تک ہیں ہاتھ میں داماں لئے ہوئے
سر کو جھکا لیا ہی جو ساقی کے پاؤں پر
آنکھیں ہیں جنتوں کے گلستاں لئے ہوئے
پھر اعتبارِ شوق ذرا مسکرا کے دیکھ
پھر شام آتی ہے مہِ تاباں لئے ہوئے
ساحل کی جستجو میں ہی **گویا** رواں دواں
ہر موجِ انبساط کے طوفاں لئے ہوئے

(۱۴۸)

اشکوں میں سیرِ شب وہ یوں مسکرا رہے تھے
جیسے تجلّیوں کی دنیا بسا رہے تھے
موجِ نظر مسلسل ساحل کو پا رہی تھی
وہ دل سے چشم تر تک پیہم ہی آ رہے تھے
تھا بے نقاب دل میں جب رات ماہِ کامل
سینے میں کچھ ستارے کیا جگمگا رہے تھے
کیا پوچھتا ہی ہمدم بزمِ خیال ہی میں
افسانۂ نظر ہم اُن کو سنا رہے تھے

(۱۴۹)

نہ سر میں چکّر ہیں آسماں کے، نہ ہوں بھنور میں غمِ جہاں کے
زہے اشاراتِ چشمِ ساقی، نگاہ میں دور ہیں کہاں کے
کھڑا ہوں خاموش و محوِ حیرت، نہ جاگتا ہوں نہ سو رہا ہوں
اُٹھاتا ہوں جس قدر بھی پردے حجاب بڑھتے ہیں درمیاں کے

اِسی فضا میں حجاب اُٹھاتے، نظر وہ آتے ہیں مسکراتے
اِدھر تو دنیا ہے بجلیوں کی، اُدھر ہیں کچھ تنکے آشیاں کے

جبیں کے باہر بھی آستاں ہی، جبیں کے اندر بھی آستاں ہے
جبیں کے غم بے جہت بنائے، نظارے ہر سو ہیں آستاں کے

(۱۵۰)

بالائے طور تجلی بھی، نظارۂ صبح و شام بھی ہے
اِن خاص اشاروں میں تیرے اے برق کوئی پیغام بھی ہے

جیسی ہو ہمت طائر کی، اِس سمت زمیں اُس سمت فلک
اک دانہ دور نشیمن سے، اِک دانہ قریب دام بھی ہے

ہم شاخ و نشیمن کے بندے، اسرارِ گلستاں کیا جانیں
جو کر گئے قرباں دل کے چمن، گلشن میں انھیں کا نام بھی ہے

تم مانا دل سے دور نہیں، ہر ذرّہ لیکن طور نہیں
انسان غموں کی منزل میں مجبور فریب گام بھی ہے

میخانۂ ہستی میں میکش، پہچان اشاراتِ ساقی
اِک دور رہینِ جام بھی ہے، اِک دور بغیر جام بھی ہے

گویا کو عطا کر دے یارب، عطارؒ و ثنائیؒ کا مشرب
اِک جام کا طالب جامؔ بھی ہے، اقبالؔ بھی ہے، خیامؔ بھی ہے

(۱۵۱)

راز سے پردہ اٹھا کر ہے زباں تیرے لئے
دیکھ تو ہر نقشِ ہستی ہی کہاں تیرے لئے

عرش ہی تیرا نہیں ہے فرش اے ذوق جبیں
عرش سے اوپر بھی ہوتی ہی اذاں تیرے لئے

دونو عالم کر رہے ہیں دیکھ تو کس کا طواف
ذرہ دل کیا زمین و آسماں تیرے لئے

راستا اُن کا ہی تجھ میں اے دل گویا نہ بھول
تیرے آنسو ہیں نجوم کہکشاں تیرے لئے

(۱۵۲)

ہر جہاں تم نے تو جبریل امیں دیکھا ہے
دونو عالم کو تصدق بھی کہیں دیکھا ہے؟

اس گلستاں میں کہاں ذکر نشیمن اے دل
خواب یہ قید قفس میں تو نہیں دیکھا ہے

سر کہاں اور کہاں اُن کے قدم اے گویا
اکثر اِک تارا تو بالائے جبیں دیکھا ہے

(۱۵۳)

لہو کی بوند جو مژگان اشکبار میں ہے
سمجھ رہا ہوں ستارہ صف بہار میں ہے

ذرا سا اور ابھی سوزِ زندگی کو اُبھار
ترا چراغ ابھی گردِ رہگزار میں ہے

اُٹھا نہ پردۂ راز اے حجاب رہنے دے
ذرا سی دھج ابھی دامانِ تار تار میں ہے

(۱۵۴)

سب سے بڑا حجابِ راز، دیدۂ امتیاز ہے[1]
جلوے ہزار ہا مگر راز ہنوز راز ہے۔

حُسن کے اعتبار سے عشق کے اعتبار ہیں
موجِ نظر طواف میں، اشک حریمِ ناز ہے

اپنی جگہ پہ مطمئن کیوں نہ ہو دل شکستگی
چپ ہے گدائے بے نوا، حدِّ سکوت، ساز ہے

پہونچی جو اس مقام پر روح کو وجد آگیا
خود جو ہے خالق نیاز، خود وہی بے نیاز ہے

سامنے اِس کے آستاں، اُس کی نگاہ میں جہاں
منزلِ عشق اِک قدم، راہِ خرد دراز ہے

فرش سے لے کے عرش تک لاکھ بلندیاں مگر
رفعتِ انتہائی سے سجدہ ہی سرفراز ہے

[1] اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَر

حُسنِ پسِ حجاب سے درد کو دل بنا دیا
پردۂ التفات سے کون جنوں نواز ہے؟
ہوگئی مکمل انجمن آگئے ہی بڑھ کے زندگی
سوزِ نظر ابھی حیات پردۂ نیم باز ہے۔
یہ ہے اسیرِ شک یہاں، اُس کا وجود گم وہاں
عقل کی یہ نماز ہے، عشق کی وہ نماز ہے
بہرِ نظارۂ جمال کوئی تو پردہ چاہیئے
حُسنِ حقیقت اور حجاب! رنگِ نظر مجاز ہے

(۱۵۵)

یہ کیا جہان ہیں یارب دلِ حزیں کے لئے
کچھ اور چاہئیں عالم غمِ جبیں کے لئے
وہ مسکرا کے رہے رنگ و بو کے پردوں میں
لطافتیں ہیں حجاباتِ یاسمیں کے لئے
قدم قدم پہ نظر ہی کہاں خدا جانے
قدم کہیں کے لئے ہیں نظر کہیں کے لئے
ضیائے نقشِ کفِ پا سے ذرّے ماہ و نجوم
ہیں آسمان زمیں پر مری جبیں کے لئے
مہ و نجوم و فلک عرش و فرش، بزمِ جہاں
سب اہتمام ہیں اِک شمعِ اوّلیں کے لئے
ازل میں دل نے لیا دین عقل نے دنیا
نگاہِ عشق نے پرتو کسی جبیں کے لئے
ضیا سے جس کی منور ہے عالم دارین
ازل سے نام ہی وہ حمد کے نگیں کے لئے

نگاہِ شوق کا دیباچہ بن گیا آنسو
تلاش تھی کسی افسانۂ حسیں کے لئے

(۱۵۶)

دونوں عالم میں سمائے نہ جو اجزا میرے
بن گئے داغ تمنا ہی خدایا میرے

بعد میرے بھی رہی ہے مرے اشکوں کی تلاش
لاکھوں ہی پیاسوں میں جاری رہے دریا میرے

جستجو سے مری آباد بیاباں جہاں
ہر قدم پر ہیں سبھی ذرے شناسا میرے

صرف ساقی کی نظر تک ہے وجودِ بیکش
معنی اُس بزم میں کچھ بھی نہیں تنہا میرے

اپنے نقاش کی خاموش زباں ہے ہر نقش
خود نہ مفہوم نہ الفاظ ہیں گویا میرے

ساقی

(مجموعۂ نعت و مناقب)

ساقی نامہ

(۱۵۴)

بہار آئی، ابر اُٹھا، جھومی فضا
زمیں چار چھینٹوں میں ہی گلکدہ

فضا سے ٹپکتی ہے رنگین مے
شفق ہے کہ مینائے گلفام ہے

ہری دوب کا اور پانی کا سنگ
عجب سبز کاہی ہی سبزہ کا رنگ

بدل کر نئے بیل بوٹے لباس
کھڑے ہیں چمن میں بہاروں کے پاس

کہیں سبز کھیتوں میں رقصاں ہیں مور
کہیں جھاڑیوں میں مگن ہے چکور

لٹائے ہیں شبنم نے اتنے گہر
کہ ہے موتیوں کا سمندر سحر

اڑائی سحر نے جو نوری ردا
چمن کا چمن ضوکدہ بن گیا

شعاعوں نے سبزے میں عقیق جڑے
نگینے ہیں ہر سمت بکھرے پڑے

چمن ہے کہ جلووں کی تفسیر ہے
ہر اک غنچہ اک حرف تنویر ہے

نظر آئی دل میں کرن کی گی
تبسم پہ اپنے کلی ہنس پڑی

دم صبح آکر کوئی کہہ گیا!
کہ ذرّوں میں اک آفتاب آئیگا

اُسی کے لئے ہیں یہ سب اہتمام
کہ ہے موج ہر گل کی بادہ بجام

بہاروں کی اب انتہا کچھ نہ تھی
سوائے تجلّی فضا کچھ نہ تھی

فلک سے جو گزری ہے موجِ بہار
سرِ عرش ہے جنتِ جلوہ زار

چمن میں ہے نرگس وہ ڈوبی کھڑی
نظر مست ہے، آنکھ بہکی ہوئی

نیا باغ ایک ایک لالے کا داغ
غمِ دل کا ایک ایک روشن چراغ

ہر اِک پھول ہے ساغرِ آفتاب
تجلّی کی جس میں بھری ہے شراب

نہ کچھ پوچھ اُڑتے دلوں کی خوشی
اِدھر سے اُدھر کشتیاں وجد کی

وہ دُھن ہے پرندوں کی آواز میں
ہے ساری فضا جس سے پرواز میں

فضائے چمن زمزمہ بار ہے
ہر اِک سمت نغموں کی بوچھار ہے

زبانوں پہ سب کی ترانہ ہے ایک
عجب نغمۂ والہانہ ہے ایک

ہے لب پر ہر اِک ذرّے کے مرحبا
سماں خیر مقدم کا ہے تا سما

چمن اپنی آنکھیں بچھائے ہوئے
گلوں سے زمیں کو چھپائے ہوئے

زمیں پر گلستاں فلک پر نجوم
قدومِ کرم کی دو عالم میں دھوم

ہزاروں لئے ساتھ ہیں آفتاب
نظر آئے ذرّوں میں وہ بے نقاب

جبیں جھک گئی فرش آنکھیں بنیں
قدم چوم کر عرش آنکھیں بنیں

الٰہی ہو کیوں کر ترا شکر ادا
کہاں دل کہاں ساقیٔ میکدہ

مرے آنسوؤں کی روانی ہے کیا
مسلسل غموں کی کہانی ہے کیا

دو عالم نثار، اک نگاہِ کرم
مری سن لے اے ساقی محترم

نظر میں ہے اے ماہِ رحمت لقب
وہی دورِ ماضیٔ ملت کہ جب

ترا نام لے کر اٹھی جو بھی موج
ہوئی ساتھ اس کے ستاروں کی فوج

مسخر تھے کون و مکاں کیا فلک
تھا شہرہ مسلمان کا عرش تک

مسلمان لیکن مسلمان تھا
نہیں شک مکمل ہی ایمان تھا

نگاہوں میں کوئی بھی پردہ نہ تھا
خدا سے کہیں دور بندہ نہ تھا

عمرؓ جیسے خطبے میں ہادی بھی تھے
حرم میں بھی نزدیکِ وادی بھی تھے

تھی خیبر شکن عظمتِ حیدری
پہاڑوں کی رگ رگ میں تھی تھرتھری

وقارِ دو عالم امامِ حسینؓ
شہِ مغربین و شہِ مشرقین

ہیں نقشِ قدم غیر فانی وہی
ہیں منزل کی روشن نشانی وہی

مثالوں کی دنیا تو حیران ہے
خدا تیرا اے غم نگہبان ہے

ہر اک گام پر ہے عجب لالہ زار
عیاں گلشن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہار

ذرا پھول جنت کے لانا ادھر
ملا روئے اصغرؓ سے اے چشم تر

نگاہوں میں کر لے خود ہی فیصلہ
وہ جنت کے گل یہ گل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سرِ کربلا ہیں یہ کیوں غور کر
جو غافل ہو منزل سے کیا وہ نظر

ہوئی ہیں یہ قربانیاں اس لئے
مسلماں مسلماں ہمیشہ رہے

کرے آگے باطل کے گردن نہ خم
رہے کربلاؤں میں ثابت قدم

تری زندگی جاودانی بنے۔
فدا حق پہ ہو غیرِ فانی بنے۔

یہ بدر و اُحد کے شہیدوں سے پوچھ
خدا سے ملے کن امیدوں سے پوچھ

کہاں ہے میں ساقی کہاں آگیا
جو دل میں تھا غم، بر زباں آگیا

کبھی زندگانی تھی عین جہاد
مسلمان قرباں تھے شاد شاد

وہ ہستی کا مفہوم ہی گم گیا!
مسلماں کا مقسوم ہی گم گیا

نگاہوں سے اوجھل ہیں انوارِ ذات
عناصر کی ترکیب اصلِ حیات

ضعیف آج ہیں ضعفِ ایماں سے ہم
مسلماں کا دل اور غم بیش و کم

کہاں پھر توحید قربانیاں
پراگندہ ذرّوں پہ حاوی جہاں

غرض آج کچھ میکدہ اور ہے
نہ وہ بادہ کش ہیں نہ وہ دور ہی

زباں سے کہے اور کیا چشم تر
ندامت سے اٹھتی نہیں ہی نظر

بدل دے دلوں کو تری پھر نظر
ہوں سینوں میں پیدا وہ پھر دل جگر

ہلا دیں جو باطل کی بنیاد کو
مٹا دیں زمانے سے بیداد کو

مسلمان پھر سے مسلمان ہوں
زمانے پہ غالب پھر ایماں ہوں

ہوں پھر ایک ذرّوں کے آپس میں دل
ہو توحید پھر مرکزِ مستقل

ہو دنیا میں ساقی وہ پھر انقلاب
بنا دے جو ذرّوں کو پھر آفتاب

ہے قدموں پہ تیرے دل غمزدہ
ہو مقبول یہ التجائے گدا
آمین

سلام

(۵۵)

سلام اُن پر پیامِ امن و راحت لے کے جو آئے
سلام اُن پر جفا کاروں میں شفقت لے کے جو آئے
سلام اُن پر سبھی محتاج بندوں کے جو حامی ہیں
سلام اُن پر جہاں کے دردمندوں کے جو حامی ہیں
سلام اُن پر یتیموں کے سروں پر ہاتھ ہی جن کا
سلام اُن پر نظر میں بے کسوں کا ساتھ ہی جن کا
سلام اُن پر غلاموں کو جو شاہی دینے آئے تھے
سلام اُن پر جو ہم کو خود نگاہی دینے آئے تھے
سلام اُن پر جنھوں نے ڈوبے بیڑے کو ترایا ہے
سلام ان پر جنھوں نے آدمیت کو : بچایا ہے

سلام اُن پر جنھوں نے زخم کھا کر دعا دی ہے
سلام اُن پر جنھوں نے شان رحمت کی دکھا دی ہے

سلام اُن پر بدل دیں آ کے تقدیریں زمانے کی
سلام اُن پر جنھوں نے توڑیں زنجیریں زمانے کی

سلام اُس خلق اعظم پر کہ پتھر ہو گئے پانی
سلام اس ذاتِ اکرم پر کہ نازاں نسلِ انسانی

سلام اُس زندگی پر جس نے مردوں کو کیا زندہ
سلام اُس پر حیاتِ خلق زندہ معجزہ جس کا

سلام اُس پر کہا خود نور نے جس کو سراج اپنا
سلام اُس چاند پر خود عرش سمجھے جس کو تاج اپنا

سلام اُن پر لقب ہی رحمۃ اللعالمیں جن کا
سلام اُن پر دو عالم میں کوئی ثانی نہیں جن کا

سلام اُن پر کہ اِک خادم ہیں جبریل امیں جن کے
سلام اُن پر سلامی سب فرشتے بالیقیں جن کے

سلام اُن پر جو کامل بدرِ انوارِ رسالت ہیں
سلام اُن پر جو صدرِ بزم سرکارِ رسالت ہیں

سلام اُن پر کہ جن کے پھول ہیں فردوس کا حاصل
سلام اُن پر اور اُن کی آل اطہر پر ہزار اے دل
سلام اُن پر کہ جن کے سامنے دامن گدا کا ہے
سلام اُن پر وسیلہ دونو عالم میں سخا کا ہے
سلام اُن پر کہ جن کے در سے وابستہ حیاتِ دل
سلام اُن پر کہ جن کی گرد پا ہے کائناتِ دل
سلام جان و دل محبوب ربّ العالمیں ہیں وہ
درودِ دائمی ان پر حبیب مرسلیں ہیں وہ

فردوس کے پھول

(۱۵۶)

نثارِ جلوۂ محبوب لاکھ کیف جناں بہت لطیف مجھے چاہیئے ہی مے رضواں
دلوں کے سامنے جب آگیا رخ انور اجالا ہو گیا دارین میں عجب تھا سماں
جبیں میں رکھ دوں جہاں کعبہ ہے، وہیں سالک مری نگاہ میں وہ ہیں تری نظر ہی کہاں
خموش رہ نہیں سکتے ہیں شکر کے آنسو
ہر ایک اشک گدا نغمۂ سرورِ جاں

شکستہ پر کے بھی پیغام کچھ بادِ صبا لے جا سحر وقت کا ہی کچھ سوز کچھ اشک گدا لے جا
درِ اقدس کو آنکھوں سے لگانا میری جانب سے غبارِ راہ کے عنم تا حریم مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم لے جا
مری جانب سے پھر کرنا طوافِ روضۂ اقدس ہجوم شوق لے جا حسرتِ بے انتہا لے جا

ہمارا حالِ دل کہنا نہ کہنے سے بیاں ہو گا
گدا کا آنسو آنسو دردِ دل کا ترجماں ہو گا

(۱۵۸)

ڈوب جاتی ناؤ ساقی نے اشارا کر دیا جانبِ خلق اپنے دامن کا کنارا کر دیا
چاہا جب فطرت نے آئے خشک شاخوں میں بہار تذکرہ گلزارِ عالم میں تمہارا کر دیا
تاجدارِ بزمِ اسریٰ نے شبِ معراج میں رازِ عالم مسکرا کر آشکارا الحمد دیا
اُس کی شوکت پوچھ چشمِ انجم و خورشید سے چاند کو جس نے اشارے سے دو پارا کر دیا

اُن کے قدموں پر تصدّق عالمِ دنیا دل
جس کو چاہا عرشِ اعظم کا ستارا کر دیا

(۱۵۹)

روئے گدا ہو وقتِ اجل سوئے مصطفٰےؐ سوئے گدا ہو بارِ خدا روئے مصطفٰےؐ

آئیں شکستہ دل میں وہ ہر سانس ہی کے ساتھ
بن جائے ہر نفس ہی مرا کوئے مصطفٰےؐ
صلے اللہ علیہ وسلم

(۱۶۰)

خدا جانے گم ہے کہاں چشمِ تر ڈھرکتی ہے کیوں ساتھ دل کے نظر
امیدوں کا عالم نہ کچھ پوچھئے گدا سامنے ہے وہ نزدیک در
گرا اسے وہ کہتے ہیں دامن بڑھا گدا پھر کہاں اور دامن کدھر
خدا جانے گویا میں کیا کہہ گیا
کہاں شام میری کہاں وہ سحر

(۱۶۱)

بیٹھے ہیں رستے میں تیرے سعیِ امکانی لئے آنسوؤں کی چشم تر میں ہیں فراوانی لئے
دو نو عالم کی بہاریں تیرے قدموں پر نثار منتظر ہے چشمِ شوق اپنی گل افشانی لئے
تیرے منگتاؤں کے آگے حشر ساماں آئے تو ہم بھی ہیں بیٹھے ہوئے بے ساز و سامانی لئے
اے انیس بیکساں یہ کس مپرسی دیکھ تو ہر نظر ہے حسرتوں کی دل میں مہمانی لئے
آنسوؤں کو ظرفِ دریا بھی ہو اے ساقیِ عطا تیری جانب دیکھتے ہیں تنگ دامانی لئے
ڈھونڈھتی ہے میکدہ میں کوئی میکش خود شناس
ہر نگاہِ ملتفت ہے جامِ عرفانی لئے

(۱۶۲)

ٹوٹ کر جام اگر در پہ ترے دل نہ بنا مشکلیں سہل ہوئیں کام مشکل نہ بنا

لاالٰہ دلِ میکش ہے پیامِ ساقی　　مدعا یہ ہے کسی موج کو ساحل نہ بنا
بزمِ انوار تری راہ کا ذرہ ذرہ　　کونسا دل تھا جو ہٹ کر مہِ کامل نہ بنا
سر جھکا اُن کے ہر اک نقش قدم پر گویا　　راہ میں بیٹھا ہوا نقشۂ منزل نہ بنا

(۱۶۳)

وہ تارے جھلمل ہوتے ہیں وہ پردہ اُٹھاتے آتے ہیں
ہر گام پہ جلوؤں کی دنیا ذرّوں میں بساتے آتے ہیں
ہر پردہ خلق کی آنکھوں کا ہے بارگاہِ رحمت پر
سوتوں کو جگاتے آتے ہیں، مردوں کو جلاتے آتے ہیں
لرزاں ہے جہانِ تاریکی ہر سو وہ محیط انوار اُن کے
ہر ذرہ دل سے ظلمت کی بنیاد مٹاتے آتے ہیں
وہ فخرِ تاجِ رسالت ہیں، وہ نائب اعظم قدرت ہیں
اللہ کا اُس کے بندوں کو فرمان سناتے آتے ہیں
جو محوِ ماہِ اسرائے ہو اللہ غنی رفعت اُس کی
معراجِ محبت کی راہیں ہر دل کو دکھاتے آتے ہیں
تسنیم، کرم، کوثر بہ قدم، وہ فیض اتم اللہ اللہ
وہ چشمہ رحمتِ بے حد کا سینوں میں بہاتے آتے ہیں

اشکوں سے حُسن قبول اُن کا کچھ دور نہیں لیکن گویا
کر صبر کہ شاخِ چمن میں گل آتے ہی آتے ہیں

(۱۶۴)

ہر اشک کو راس آئی اس در پہ جبیں سائی
ہے انجمنِ جلوہ ہر گوشۂ تنہائی
جب رخ سے نقاب الٹا محبوبِ احد نے خود
دنیا کو نظر آئی یکتائی کی یکتائی
نظروں سے جو دنیا کی قسمت کا ورق الٹا
کی حرف غلط ثابت دارائی و کسرائی
سنّاٹا تھا ہر جانب آوازِ اذاں سُنکر
تکبیر کے آگے کیا بتخانوں کی شہنائی

(۱۶۵)

قرآن میں ہے اُن کی ثنا سامنے مرے
وہ دل میں ہیں کتابِ خدا سامنے مرے
رحمت کے واسطے سے دعا مانگتا ہوں میں
یا رب نہیں وجود مرا سامنے مرے
ملّت کی ناؤ پار لگا دے کرم سے تو
پھرتا ہے بیڑا ڈوبا ہوا سامنے مرے

(۱۶۶)

ٹوٹے دلوں کا ایک سہارا جہاں میں ہے
جو ذرّہ جس جگہ ہی اسی آستاں میں ہے
وہ خود ہیں جاؤں پڑیں سمت حرم درمیاں میں ہے
ذوقِ نیاز آج بڑے امتحاں میں ہے

دل میں سکوں ہے گنبدِ خضرا کی چھاؤں سے　طوبیٰ کی سبز شاخ مرے آشیاں میں ہے
دامن میں اُن کے جب کسی مجرم نے لی پناہ　رحمت پکار اُٹھی یہ میری اماں میں ہے
ذوقِ جبیں کا شوقِ مسلسل نہ پوچھیے
سجدہ اِدھر مکاں میں اُدھر لامکاں میں ہے

(۱۶۷)

درِ محبوب سے خالی کوئی منگتا نہ گیا　اُن کی رحمت سے کوئی اشک بھی دیکھا نہ گیا
آپ سے ہو کے جدا پہونچا جو پہونچا اُن تک　سامنے نور کے سایہ بھی خودی کا نہ گیا
جس کسی دل کی نظر میں رہا خود اپنا مقام
غیر کے در پہ جبیں سا کبھی پایا نہ گیا

(۱۶۸)

اُنھیں ڈھونڈھ دل میں غمِ پُر محن تو　نہیں اپنی خلوت میں بے انجمن تو
یہی ذرّے گل ہیں یہی ذرّے کانٹے　محبت سے اُن کی کھلا لے چمن تو
دو عالم بسا ناتھے تجھ سے غمِ دل　ہے روزِ ازل سے غریب الوطن تو

ق

یہ کیسا ہے تو نام لیوا علیؓ کا　دکھا تو کوئی شانِ خیبر شکن تو
نہ تو عزشِ ہمت، نہ کوہِ تحمل　زباں تک فدائے حسینؓ و حسنؓ تو

مکدر نگاہیں تری آج اے دل　　بناتی ہیں گم کر چکا ہے کرن تو
خدا سے یقیں بالعمل مانگ گویا
ابھی تک ہے زناری ما و من تو

صلوٰۃ وسلام

(۱۶۹)

نامِ اقدس دل میں ہی نقشِ قدم ہے بر جبیں　　الصّلوٰۃ والسّلام اے سرورِ دنیا و دیں
ماہِ فاراں، نورِ رحمت، شمعِ بزمِ اولیں　　الصّلوٰۃ والسّلام اے رحمۃ اللعالمیں
سرورِ عالم، امامِ انبیا، محبوبِ رب　　الصّلوٰۃ والسّلام اے افتخارِ مرسلیں
نورِ اقدس سے منور بزمِ عرفان و شہود　　الصّلوٰۃ والسّلام اے منتہائے عارفیں
شانِ رحمت پر تصدق اہلِ دل مثلِ حباب　　الصّلوٰۃ والسّلام اے مدعائے واصلیں
کھل گئیں آنکھیں دلوں کی روئے انور دیکھ کر　　الصّلوٰۃ والسّلام اے وجہِ انوارِ یقیں
رات دن دل کو ہی رٹ مولیٰ کے نامِ پاک کی
الصّلوٰۃ والسّلام اے والیِ جانِ حزیں

(۱۷۰)

دل ہے چشمِ تر میں　　سلام صبح سے اشکِ سحر میں

سلام اے رحمتوں کے تاج والے
سلام اے تاجورِ معراج والے

سلام اے مظہرِ شانِ جمالی
سراپا رحمت و اکرام عالی

سلام آنکھوں کے ہیں اشکِ مسلسل
سلام اے نور کے ماہِ مکمل

تلاطم میں ہے امت کا سفینہ
مدد کا وقت ہے شاہِ مدینہ

چمن پر بجلیاں منڈلا رہی ہیں
دلوں میں کلیاں سہمی جا رہی ہیں

ہے پیاسی خون کی وہ باغبانی
لہو معصوم غنچوں کا ہے پانی

نہیں کرتے زمانے کی برائی
ہماری ہی خطا ہم پر ہے چھائی

ہمیں اپنی کمی نے کھو دیا ہے
ہماری بے عملی نے کھو دیا ہے

خود اپنی زندگی بھولے ہوئے ہیں
خدا کی بندگی بھولے ہوئے ہیں

عبادت سے نہیں ربطِ عمل کچھ
عبادت کچھ عمل ہے آج کل کچھ

یقینِ دل سے خالی ہیں نمازیں
یقیناً احتمالی ہیں نمازیں

نہ وہ سوزِ سلف باقی ہے ہم میں
نہ کوئی شانِ آفاقی ہے ہم میں

نہ وہ اخلاق ہیں نہ شانِ سابق
نہ وہ اعمال ہیں ایمانِ سابق

کہ اب پروانے ہیں شعلوں سے ڈرتے
برائے زیست ہیں بے موت مرتے

جہادِ زندگی جو بہرِ حق تھے
انھیں کے پاؤں پر جو وہ طبق تھے

مگر اب دل ہیں پروانے غرض کے
خدائی خوار دیوانے غرض کے

فسانوں تک ہی بس حدِّ وفا ہی مکمل زیست تصویرِ ریا ہی

جو دل مخلص ہیں اب وہ خاک میں ہیں نمودی محفلِ افلاک میں ہیں

وقارِ دیں یہ تمنا داستاں ہے حسینی روح سینوں میں کہاں ہے

تلاطم میں ہی تنکوں کا سہارا اسی حد تک ہی بس ایماں ہمارا

یقیں سے دور دیوانے خرد کے ہیں وہ بھی صرف افسانے خرد کے

کمالِ دانش و ادراک یہ ہے زمیں کی گرد ہیں افلاک یہ ہے

یقیں کو مان کے بے دانشی ہم سراپا اصلِ مذہب کا ہیں ماتم

خطائیں بخش دے مولیٰ ہماری ہمیں محسوس ہو خود اپنی خواری

ندامت ہوش وہ پیدا کرے پھر کہ جس پر فضل خود مولیٰ کرے پھر

وہ ہو پھر زندگی ظاہر دلوں سے بڑھے آگے جو پھر سب منزلوں سے

پیامی حق کی پھر ہو جائے ملت اُلٹ دے طبقۂ ظلم و بطالت

ہمیں وہ صدق صدیقیؓ عطا ہو جو مرآتِ جمالِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہو

عمرؓ کی حق پرستی جانِ دل ہو حیا عثمانؓ کی ایمانِ دل ہو

کوئی ذرہ علیؓ کی گردِ پا کا جو مل جائے تو پھر کھل جائے سینا

حسینیؓ روح اصلِ زندگی ہو ہماری بندگی پھر بندگی ہو

وسیلہ آپ ہیں میری دعا کا نصیبہ کیوں نہ کھل جائے گدا کا

صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم

راہِ معراج

(۱۷۱)

ستاروں میں ہوئی آہٹ کسی کے پاؤں دھرنے کی
تحیّر سے نظر چاروں طرف اہلِ نظر نے کی

فرشتوں نے کہا دیکھو تو یہ انداز کس کے ہیں
سکوتِ شب کے پردے میں خرام راز کس کے ہیں

مہ و پرویں کو اپنا راستا کس نے بنایا ہے
ستاروں سے یہ سوئے عرش جانے کون آیا ہے

سرِ مہتاب پر ہی آج یہ نقشِ قدم کس کا
جبینِ ماہ کو چمکا رہا ہے یہ کرم کس کا

الٰہی یہ کوئی سیارۂ فردوسِ اعلٰے ہے
کہ حدِ قرب کی آبادیوں کا اک اُجالا ہے؟

جہانِ آفرینش نے کہا یہ تو مرا دل ہے
کہ حاصل جلوۂ تخلیق کا انسانِ کامل ہے

رسائی ہے اسی کی سرحدِ ادراک سے آگے
مقامِ آدمیت منزلِ افلاک سے آگے

اسیرِ تحت و فوق آدل سے وہ اسرار کیا جانیں
فروغِ نور سوئے مرکزِ انوار کیا جانیں

فرشتوں کی جبیں گم ہے جہاں انساں وہاں سے ہے
رہِ معراج کا آغاز تو سمجھا کہاں سے ہے

مکمل شمعِ محفل کا دو عالم میں اُجالا ہے
یہی وہ چاند ہے جس کا یہ عالم ایک ہالہ ہے

شعاعیں راستا ہوتی ہیں نورِ شمع محفل کا
تجلّی مسلسل ہی پتا دیتی ہے منزل کا

خود اپنے نور کے رستے سے نور اُس نور تک پہونچا — جو تھا خود جلوۂ منظور وہ منظور تک پہونچا
تجلّی کے مقابل کوئی پردہ آ نہیں سکتا — تخیّل جا نہیں سکتا تصوّر پا نہیں سکتا
نظر تیری جہاں بھی تھک گئی تو آسماں سمجھا — نہ یہ سمجھا کہ کس شے کو حجابِ درمیاں سمجھا
نگاہوں سے یہاں آئے تھے جو پردہ اُٹھانے کو — بتانا تھی اُنھیں انسان کی منزل زمانے کو

گلستاں میں سحر کے بعد ہی تو پھول کھلتے ہیں — لباسِ رنگ و بو میں صبح کے انوار ملتے ہیں
ظہورِ خلق تو ہی بعد کو پہلے ہی نور اُن کا — ہر اِک آئینۂ کون و مکاں میں ہے ظہور اُن کا
وہی تھے عرش سے تا فرش خود اپنی ہی راہوں میں — تعجب اس میں پھر کیا ہے اگر گزرے نگاہوں میں
تجھے معلوم بھی ہے وقت کیا شے ہے زمانہ کیا — یہ کیا کہتی ہے دنیا ہے حقیقت میں فسانہ کیا
یہ حد بندی تری کوتاہیٔ احساس ہی کی ہے — جسے تو دور پاتا ہے وہ دنیا پاس ہی کی ہے

فرشتے سر جھکائے صف بصف تھے خیر مقدم میں — عجب انوار تھے تا عرش اُس شب بزمِ عالم میں
ستارے راستے میں اُس طرف آنکھیں بچھائے تھے — اِدھر سب جنّتوں نے پھول فرشِ راہ بنائے تھے
ہر اِک منظر سے ہستی کے تجلّی پھوٹ نکلی تھی — جہاں تک بھی نظر جائے تجلّی ہی تجلّی تھی
شہِ کون و مکاں نے جیسے ہی پہلا قدم رکھا — جمالِ رخ سے ہر ذرّہ جہاں کا جگمگا اٹھا
قدم رضواں نے چومے بڑھ کے اُس سرکارِ رحمت کے — سجائے تھے چمن جس کے لئے سب خلد و جنت کے

بڑھے جب اُس کے آگے تو مقامِ بے مقام آیا
خدا جانے کدھر سے کس کی جانب کیا پیام آیا[1]

نقاب افگن حریمِ راز میں تھی شانِ محبوبی
بہت اونچا تھا بامِ عرش سے ایوانِ محبوبی

بہت ہی دور تھے اس بزم سے جبریل رستے میں
مسلسل کر رہے تھے عقل کی تکمیل رستے میں

ہے تیری عقل ہی کیا اور تو کیا ہے اے دلِ ناداں
نہ پہونچے اُن کی گردِ آستاں کو نیرِ عرفاں

نظر کی انتہا ہی اُن کے قدموں پر جبیں سائی
جبیں سائی ہمیں معراج ہی اپنی نظر آئی

مکّے سے ہجرت اور مدینے میں داخلہ

(۱۷۲)

جب منتظر بہت ہی مدینے کی تھی فضا
ماہِ عرب نے مکّے سے طیبہ کو رخ کیا

صدیق یارِ غار تھے، بستر پہ مرتضٰے
منزل میں دونو ایک، مقامات میں جدا

فاراں کی چوٹیوں سے جو چمکا عرب کا چاند
تھا دل میں ہر ستارے کے انوارِ رب کا چاند

ہر ذرہ انبساط کا پھولا پھلا چمن
بزمِ تجلیات مدینے کی انجمن

مشکل زبانِ قال سے تفسیرِ حالِ دید
گویا تھی سینے سینے میں روزِ ازل کی عید

[1] فَاَوحٰی اِلٰی عَبدِہٖ مَا اَوحٰی (قرآن پاک) پس وحی کی اپنے بندے کی طرف جو بھی وحی کی

تھے صف بصف قطاروں میں اصحابِ مصطفےٰ
چاروں طرف مدینے میں تکبیر کی صدا

کہتی تھی ہر نگاہ کہ تشریف لائیے
ہر دل کا اقتضا تھا کہ آنکھیں بچھائیے

نغمے تھے شادیانوں کے سب بچیوں کے گیت
مِل مِل کے گا رہی تھیں بڑی ہی خوشی سے گیت

"چمکا ہی چاند ہم پہ"[1] یہ نغمہ تھا ساز میں
اِک خاص روشنی تھی نوائے نیاز میں

انصار کی خوشی کا وہ عالم نہ پوچھیے
تھی محو آفتاب میں شبنم، نہ پوچھیے

کرتے تھے عرض سب یہ ادب سے کہ یا نبی
مہماں حضور ہوں مرے، ہی التجا یہی

ارشادِ پاک یہ ہوا ٹھہرو نگاہیں وہیں
خود ناقہ بیٹھ جائے گا میرا جہاں کہیں

حصہ مگر یہ حضرتِ ایوبؓ ہی کا تھا
تقدیر سے یہ انھیں کو شرف ملا

کچھ دن رہا دلوں میں وہیں نورِ بے نقاب
پھر آگیا خود اپنی ہی منزل میں آفتاب

روضہ جہاں ہے اب وہیں فرمایا ہی قیام
یا رب درودِ دائمی و تا ابد سلام

اگلا مدینہ ہائے نگاہوں میں پھر گیا
تھے ہر طرف نبی کے جب اصحابِ باصفا

اِک شمع اور سیکڑوں پروانے ہر طرف
اِک نورِ ذات، لاکھ جِلو خانے ہر طرف

آٹھوں پہر ہی عید نظاروں کی چار سو
ہی چاندنی میں دید ستاروں کی چار سو

اِک اِک گلی مدینہ کی فردوس زار ہے
اِک اِک قدم پہ گلشنِ جنت نثار ہے

[1] اَشرَقَ البَدرُ عَلَینَا۔ (چمکا ہے چاند ہم پہ)

گرتے ہوؤں کو روکا، گروں کو اُٹھا دیا
ڈوبے ہوؤں کا پار سفینہ لگا دیا

دل میں ہر اک غریب دکھی کے سما گئے
رہنے کو تا قیام غریبوں میں آ گئے

اب تک وہی زمیں ہے، وہی آسماں مگر
ہر ذرّۂ حرم کی نگاہیں ہیں سوئے در

تاریخ اپنے آپ کو دہرائے لاکھ بار
تا حشر پائے گی نہ کوئی ایسا تاجدار

ذوقِ جبیں نہ بھولے کبھی بھی درِ حبیب
منظور تھا یہی کہ رہے حجر سے قریب

ظہورِ نور

(۱۷۳)

نور آمد بہرِ تفسیرِ مبیں
در رخِ او معنیٔ قرآنِ مبیں

اللہ اللہ جلوۂ انوار پاک
نعرہ زن یا رحمۃ اللعالمیں

آسمان باہ و انجم در طواف
جلوۂ انا فتحنا بر جبیں

ہر دو عالم آیتے نور و ظہور
حرف واحد حاصل دنیا و دیں

(۱۷۴)

تعیّن کے کناروں سے بہت ہی دور اک ساحل
تھا اپنے سامنے خود بے نقاب و پردہ حائل

جمالی جنبشوں میں تھے سفینوں کے بہت حاصل
ملا کر سب کو آپس میں بنا ڈالا مکمل دل
یہ منظر دیکھ کر آغوش رحمت سے وہ رو اٹھی
کہ جس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے ایک ضو اٹھی

وہ ضو ہمٹی تو پیکر بن گئی اک نورِ کامل کا
مرقع سامنے تھا عالم آرائی کے حاصل کا
مقام اک اک شعاعِ نور میں آیا نظر دل کا
ہر اک ذرے میں محفل کے تھا جلوہ شمعِ محفل کا
مہ و خورشید اپنے جام لے کر رو برو آئے
بصد امید صبح و شام لے کر رو برو آئے

جبیں کے چند قطروں نے وہ بخشی ان کو تابانی
فضائے آسماں میں جیسے ہو جلووں کی طغیانی
یہاں تک آسماں نے دیکھی اپنی تنگ دامانی
ٹپکتی تھی ہر اک تارے کے ساغر سے درخشانی
تجلی کی بھرن قدرت نے رحمت سے جو برسائی
اُسے آغوش میں لینے کو جنت سے زمیں آئی

زمیں مرکز بنی اب کائناتِ جلوہ ساماں کی
زمیں کے دل پہ شیدہ تھی وہ فردوس انساں کی
کہ سب جس کے لئے تابانیاں تھیں بزم امکاں کی
عیاں تھی سعیٔ فطرت میں جھلک مقصودِ پنہاں کی
نمایاں تھا کہاں اس ابتدا کی انتہا ہوگی
بہار کائنات اک دن نثارِ مصطفےٰ ہوگی

بڑی تفصیل ہے اس گوہرِ اجمالِ ہستی کی
بہر لحظہ ہے جو روزِ ازل آج تک جاری

نہ پہونچے گی حدِ تکمیل کو جوتا قیامت بھی　　خدا جانے کہاں جاکر قریب منتہا ہوگی
یہ عالم فصل اول ہے وہ عالم فصل ثانی ہے
مسلسل لکھی جائے گی کتاب زندگانی ہے
ہزاروں سال تک درجہ بدرجہ جب حجاب اُٹھے　　بہت سے چاند آئے اور بہت سے آفتاب اُٹھے
فقط مقصود یہ تھا روئے ساقی سے نقاب اُٹھے　　ہزاروں حشر دنیا میں برائے انقلاب اُٹھے
بالآخر جب کھلا صبح سعادت کو درِ کعبہ
لئے تھا مژدہ آمد نظر میں منظرِ کعبہ

چہار عنصر

(۱۷۵)

شریعت برزمیں بارانِ رحمت　　طریقت کوثرِ بستانِ رحمت
کمالِ معرفت، عرفانِ رحمت　　حقیقت گوہرِ دامانِ رحمت
ہمہ تفسیر ذاتِ مصطفےٰ است
گلستانِ حیاتِ مصطفےٰ است
صلے اللہ علیہ وسلم

معارفِ میمِ احمدؐ

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱۷۶)

میمِ احمدؐ ہے نکتۂ عرفاں
کشف کی روح معرفت کی جاں
میمِ احمدؐ ہی وہ وسیلہ ہے
جس سے بندہ خدا سے ملتا ہے

میمِ احمدؐ ہی حمد کی وہ حد
سامنے جس کے ہے جمالِ احد
اِس وسیلہ کی قدر کر اے دل
ڈھونڈھتی ہی تجھے تری منزل

میمِ احمدؐ ہے تاجِ محبوبی
ہے منوّر سراجِ محبوبی
دل سے پروانے ہو فدائے جمال
معرفت میں یہی ہی تیرا کمال

حمد بے حد ہے، پوچھتا کیا ہے
میمِ احمدؐ کی نتھا کیا ہے
بر سرِ عرش ہی ضیائے حمد
میمِ ہے پرچم لوائے حمد

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیغامِ حیات

(۱۷۷)

پیغامِ حیاتِ نبوی کوثرِ تنویر — قرآن میں قرآن ہی تفسیر میں تفسیر

اِس سمت ہی معراجِ نہایت کی بشارت — اُس سمت ہی ہاتھوں میں لئے پرچمِ تقدیر

آئے وہ نظر خلق میں تقدیر کے حاکم — پہنے ہوئے بیٹھے تھے غلامی کی جو زنجیر

کرتے تھے یہ سرگوشیاں آپس میں ملائک — اَسرارِ مقدر کی ہی یہ تو نئی تفسیر

ثابت یہ ہوا آج ہمیں شقِّ قمر سے — انسانِ مکمل کی نظر فاتحِ تقدیر

یہ حال ہی بتخانۂ عالم میں کہ جیسے — خاکوں سے اُڑی جاتی ہی اصنام کی تصویر

کسریٰ متحیّر ہے تو قیصر متغیّر — سرمایہ پرستوں کی پریشان ہے تدبیر

جس کے لئے لاکھوں ہی نبی آئے جہاں میں — وہ ختمِ نبوت سے مکمل ہوئی تعمیر

تکمیلِ شہادت کے لئے آخری حجّت — تھا سجدۂ حق میں تہِ خنجر سرِ شبیرؓ

نیزے پہ چڑھا تو سرِ شبیرؓ پکارا
پیغام حسینؓ ابن علیؓ درسِ ہمہ گیر

سلام بجناب امام علیہ السلام

(۱۷۸)

سلام اُس پر بنائے لاالٰہ جس کی قربانی
سلام اُس پر شہادت میں نہیں جس کا کوئی ثانی
سلام اُس پر کہ جس نے لاج رکھ لی آدمیت کی
سلام اُس پر کہ جس کی استقامت کوہ ایمانی
سلام اُس ذوق پر جس پر شہادت فخر کرتی ہے
سلام اُس شوق پر تھا ختم جس پر ذوقِ عرفانی
سلام اُس عید پر بے پردہ جس کے سامنے حق تھا
سلام اُس دید پر جو تھی مکمل عیدِ قربانی
سلام اس عزم پر جس کی بلندی حد نہیں رکھتی
نظر آتی ہے جس کے قدموں پہ محشر کی پیشانی

سلام اس نور پر جس میں ظہورِ نورِ کامل تھا
جمال مصطفےٰ، آئینہ انوارِ ربّانی
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱۷۹)

مسافرِ سفرِ کربلا سلام علیک
شہیدِ منزلِ صبر و رضا سلام علیک
گلِ بہارِ دلِ مصطفےٰ سلام علیک
مفسرِ چمنِ مرتضےٰ سلام علیک

منوّرِ دوجہاں سیدہ کے لال سلام
دوامِ گلشنِ اسلام کے نہال سلام

ترے دوام کا شاہد ہے گلشن اسلام — ترے ہی خون سے باقی ہی اس چمن کا نام
لہو سے تیرے ہی سینچا ہی اس شجر کو امام — ترے ستاروں سے روشن ہے کربلا کی شام

فلک سے کرتا ہی جھک کر تجھے ہلال سلام
محیطِ ارض و سما ہی ترا جمال سلام

سوزِ دل

(۱۸۰)

سوادِ امتحاں میں جا بہ مشکل سے نکلتا ہی — بجائے شمع کے اس بزم میں پروانہ جلتا ہی
کفن دینے کو لاشوں کے اُٹھے تاریکیِ صحرا — یہ کہہ دو شامِ غربت سے کہ اب خورشید ڈھلتا ہی
حسینی کارواں کی ہی موذن آج تک فطرت — اذانِ صبح دینے، صبح کا تارا نکلتا ہے
زمینِ کربلا میں ہیں الٰہی یہ لہو کس کے — جہاں پتھر اُٹھاؤ خون کا چشمہ اُبلتا ہے
ابھی تک کربلا میں کرتے ہیں محسوس کچھ ایسا — کہ جیسے رات میں کوئی کفِ افسوس ملتا ہے
یہ کس کی قبر پر یارب ستارے ٹوٹے پڑتے ہیں — شعاعِ ہر نجومِ شب سے یا اصغر نکلتا ہے
جگہ سے ہل نہیں سکتا جو لاکھوں امتحانوں میں — وہی نقشِ وفا دنیا کے نقشے کو بدلتا ہے
غمِ سبطین میں آنکھوں سے آنسو بھی نہ جاری ہوں — یہ ہی وہ سوز جس کی آنچ سے پتھر پگھلتا ہے

ریاضِ مصطفےٰ کی یاد میں بے ساختہ گویا
گلِ توصیف بنکر دل سے ہر آنسو نکلتا ہی
صلے اللہ علیہ و آلہٖ سلم

یادِ حضرت علی اصغر علیہ السلام

(۱۸۱)

اندھیری رات میں شمعیں جلانے کون آیا ہے
سرہانے قبر آنکھیں بچھانے کون آیا ہے

یہ اک بے شیر کو پانی پلانے کون آیا ہے
مسلسل آنکھ سے دریا بہانے کون آیا ہے

ردائے شب میں شاید بے ردا ہیں مادرِ اصغر
سرہانے قبر کے آنسو بہاتا ہے کوئی چھپ کے

صدا آتی ہے اشکوں سے اٹھو لختِ دلِ مادر
بچھونا ہے نہ تکیا ہے نہ جھولا ہے نہ ہی بستر

یہ میرے پھول کو نیند آگئی کس طرح کانٹوں پر
کلیجا ٹکڑے ہوتا ہے گوارا ہو مجھے کیوں کر

اٹھو اے چاند تم پر اس زمیں نے خاک ڈالی ہے
یہاں تم شام سے سوتے ہو میری گود خالی ہے

تمہیں کب سے سکینہ یاد کرتی ہے اٹھو پیارے
اٹھو میں گود میں لے لوں مسافر ہو تھکے ہارے

کلیجے سے مرے لگ جاؤ تم ہو آنکھ کے تارے
خفا تم مجھ سے شاید ہو گئے ہو پیاس کے مارے

اٹھو ننھے مسافر کو بہت پانی پلاؤں گی
قیامت تک میں دل کا خوں آنکھوں سے بہاؤں گی

دلوں سے کہہ رہی ہے اب تک اشکوں کی فراوانی
بڑی ہے حجّتِ حق ہر اک پیاسے کی قربانی

مسلماں بھول جانا راہِ حق کو نا مسلمانی　　نہیں ہی یاد تجھ کو جاہد وا ہی حکمِ قرآنی
سبق شبیرؓ کی قربانیوں سے کیا لیا تو نے
جو سر اپنا درِ باطل پہ دب کر رکھ دیا تو نے

محبوب الٰہی

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں

(۱۸۲)

محبوب ہو محبوبِ ربّ کے، رحمت کی ہو تم رحمت کا مل
تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں محبوب الٰہی دردِ دل
بیٹھا ہوں دامن پھیلائے امید کی کوئی حد ہی نہیں
رحمت کے در سے دنیا میں خالی نہ پھرا کوئی سائل
ایک ایک شکستہ دل کے لیئے غم اپنا ہی دامن پھیلائے
منجدھار میں کشتی طوفاں نسو، ہی دور نگاہوں سے ساحل
تم ناظمِ دین وملّت ہو محبوبِ الٰہی یہ ہے دعا
پھر ایک ہو بکھرا شیرازہ آسان دلوں کی ہو مشکل

بدر العارفین

جدّی حضرت سید شاہ بدر الدین قدس سرہ العزیز

کے حضور میں

(۱۸۳)

نورِ انوارِ نبی، ماہِ علی، بدر الدیں
ہمہ تن آئینۂ مصطفوی بدر الدیں

اپنے ہر چاند میں ہی چاند مدینے والا
بدرِ اسلام، مہِ دینِ نبی بدر الدیں

ذرۂ گردِ قدم کی بھی نظر ہے تجھ پر
اے مہِ کامل روشن لقبی بدر الدیں

ہاتھ پھیلائے ہوئے در پہ گدا آیا ہے
ہو عطا صدقۂ مولائے علی بدر الدیں

دلِ تاریک کو دیدیجئے وہ ایک کرن
جس میں ہو جلوہ فگن روئے نبی بدر الدیں

معنیٔ گویا کے سمجھتی ہی نہ جانے کیا خلق
ہو مجھے حکم اذانِ سحری بدر الدیں

رشحات

(مختلف نظموں کا مجموعہ)

حیاتِ بعد الموت

(۱۸۴)

شفق کے بعد اندھیرے کا دور ہوتا ہی[1] نکلتا ہی پھر اندھیرے ہی کے عقب سے چاند
یہیں ہیں درجہ بدرجہ منازلِ ہستی ہیں منکرینِ قیامت کی کتنی عقلیں ماند

(۱۸۵)

موجِ حیات آگے نکلتی ہی ہر نفس اِک سلسلہ کے ساتھ ہی چلتی ہی ہر نفس
خود آخرت بھی ایک کڑی ارتقا کی ہی امثالِ زندگانی بدلتی ہے ہر نفس[2]

جسم و جان

(۱۸۶)

جسم ہی دراصل رنگِ معجِ نور روح گویا ایک شعاعِ نور ہی
مردِ ناداں! کیا حجابِ تن بدن نور اپنے رنگ میں مستور ہی
موج اگر دریا میں ڈھونڈھے آپ کو کیا تعجب ہی یہی دستور ہی

[1] لَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (سورۂ انشقاق قرآنِ پاک) [2] وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ (سورۂ واقعہ قرآنِ پاک)

فاصلہ ہی بیچ میں کوئی نہیں
اس لئے انسان خود سے دور ہی

ماضی و حال

(نظریہ ارتقائے نفس کے تحت میں)

(۱۸۷)

گلستان جہاں کی ہر فضا میں — بہاریں ہیں گزشتہ زندگی کی
متاع زیست تو سمجھا ہی ان کو — کوئی حد بھی ہی تیری مفلسی کی
نگاہ حال ہی مسرور ماضی — ادا بیگانۂ خود ہے کلی کی
بتاتا ہے یہی رنگ تبسم — بہت ہی دور منزل آگہی کی
سمجھ اے دل ہی چاروں سمت جو کچھ — ہی رستے میں منزل بیچ ہی کی

حیات حال کے اگلے قدم پر
بہاریں ہیں تری دیدہ وری کی

جمال معنیٰ

(۱۸۸)

...ـا یوم ہو فی شان کے معنیٰ سمجھو — ہر نفس میں نئی امکان کی دنیا سمجھو

پڑھو عنواں کی جانب سے کتابِ ہستی — خود شناسی کو بغیر اس کے فسانہ سمجھو
اور کچھ دفترِ ہستی میں نہیں ہے تحریر — اہلِ معنی ہو تو خود اپنے ہی معنی سمجھو
قطرہ قطرہ ہے تلاطم میں قریبِ ساحل — آنسو آنسو میں رواں راز کا دریا سمجھو
مے و میخانہ و میکش کی حقیقت معلوم — آنکھ رکھتے ہو تو ساقی کا اشارا سمجھو
سامنے شبنم و خورشید کا افسانہ ہے — رنگِ گلزار کو اک دورِ نظارا سمجھو
طور ایمن ہی نہیں عرش بھی خود تم میں ہے — ذرّہ ذرّہ دور کی محدود نہ دنیا سمجھو
روز ہی زیست کا تم ردِّ عمل دیکھتے ہو — نیند کو اپنی، قیامت کا نمونہ سمجھو
راز کو عقل نہیں پاتی بصیرت کے بغیر — ہو سمجھنا تو سمجھنے کا طریقہ سمجھو
خود ہو ویران جہاں تم وہیں ویرانہ ہے — مدعا یہ ہے کہیں خود کو نہ تنہا سمجھو

جھوٹے اشکوں سے نہیں ہوتا ہے کچھ بھی گویا
آنکھ جو کھولے اسے صبح کا تارا سمجھو

جگنو

(۱۸۹)

ہیرے ہیں یا نگینے یا ہیں فضا میں جگنو — شب کی قبا میں تارے غم کی قبا میں جگنو
خورشید ہی سے اپنے بچھڑی ہوئی ہیں کرنیں — خورشید سے بچھڑ کر جگنو بنی ہیں کرنیں

یہ بھی نہیں تو جگنو ہیں کہکشاں کے تارے
آئے یہاں بھٹک کر رستا وہاں کے تارے

اہل نظر کے آگے ہستی کی ہیں مثالیں
ہونا نہ ہونا کیا ہے، دیکھیں نظر تو ڈالیں

یہ بھی نہیں تو جگنو فردوس کی ہیں کلیاں
جو مسکرا کے شب بھر ہیں ہر طرف درخشاں

فطرت نے مسکرا کر الماس خود جڑے ہیں
جنگل میں پیڑ شب میں تنہا نہیں کھڑے ہیں

یہ بھی نہیں تو ٹوٹے پھر یہ اُن ذروں ہی کے دل ہیں
دنیا میں یوں تو ٹوٹے جو خاک، آب و گل ہیں

آیا نہیں سمجھ میں کچھ راز اور ہی ہے
کہتے ہیں غم یہ شان پرواز اور ہی ہے

لایا ہے رنگ دل کے اشکوں کا مسکرانا
جگنو سمجھ کے اب تک سمجھا نہیں زمانہ

گنجائش جہاں سے باہر ہوئے جو جلوے
ہر پردۂ جہاں سے وہ آپ پھوٹ نکلے

افلاک پر ستارے، گلزار ہیں زمیں پر
دل سے نظر جماؤ ہستی کے ہر نگیں پر

برق و شرار کیا ہیں، سب جلوہ زار کیا ہیں
لیل و نہار کیا ہیں، رنگ بہار کیا ہیں

جگنو کی روشنی میں دل کی کتاب پڑھیے
شبنم کی داستاں کیوں بے آفتاب پڑھیے

اب مطمئن ہوا دل، تھی بات ہی پتے کی
جگنو کی زندگی میں ہر رات ہی پتے کی

تصویر نظر

نقاشئ جمال میں حیراں ہے جانِ زار ـــ جب عکسِ انبساط لیا چھا گئی بہار
دیکھا اٹھا کے پردۂ تصویر جب کبھی ـــ تھا سامنے خود اپنی ہی حیرت کا شاہکار

آنسو

(۱۹۱)

چلی تھی موجِ تجلی جو لامکانوں سے ـــ گزر گزر کے مہ و مہر کے جہانوں سے
ٹپک ٹپک کے ستاروں کے آشیانوں سے ـــ زمیں پر آئی تلاطم میں آسمانوں سے
خمیرِ دل کو ضرورت ذرا نمی کی تھی ـــ شرار و سوز میں یہ بات ابھی کمی کی تھی

تبسّم

(۱۹۲)

تبسم کی موجیں جہاں آفریں ـــ پکار اُٹھے کون و مکاں ، آفریں
جمالِ رخِ ساقئ میکدہ ـــ جہاں اپنے خود سامنے آگیا
ہزاروں چمکنے لگیں بجلیاں ـــ ہوئی خیرِ دل آگیا درمیاں

وہاں تک ہی عالم جہاں تک ہی دل
تبسم سے پوچھیں کہاں تک ہی دل

کتابِ نظر

(۱۹۳)

یہ ذرّے، یہ خورشید، یہ چاند تارے   چمکتے دمکتے یہ روشن اشارے
یہ نظروں کی حدّوں سے باہر نظارے   دو عالم کے روشن ہیں جن سے کنارے

کتابِ نظر کے کچھ اوراق ہیں سب
سمجھ اِن کا دیوانے مفہوم و مطلب

بہت دل کے نقطے کو پھیلا کے دیکھا   مسلسل انھیں سامنے لا کے دیکھا
خود ہی گم گیا جب انھیں پا کے دیکھا   بہت عشق نے خود کو شرما کے دیکھا

نظر کل ہے مفہوم گمنا نظر میں
تحیّر کا دریا ہے پنہاں گہر میں

شفق نے کہا شام کو، پھر سحر کو   بدل دے تجلّی سے رنگِ نظر کو
مگر دل نہ پہچانا خونِ جگر کو   خبر ہی نہ تھی راز کی بے خبر کو

مناظر کے پھندے میں جب تک نظر ہے
تماشائے سیلاب ہی بے گہر ہے

سراب و حقیقت میں فرقِ نظر ہے   جو دل بھی ہو خود فہم وہ خود گہر ہے

نہیں تو بس اِک قطرہ ہی بے خبر ہے ‏ ‏ جو محرومِ ساحل سرِ چشمِ تر ہے

پڑھے جہاں تک بھی ہستی ہی تیری

کتابِ نظر حق پرستی ہے تیری

دل

(۱۹۴)

چمن میں قطرۂ شبنم ہی نام ہی دل کا ‏ ‏ جمالِ سوز سے لبریز جام ہے دل کا

ہمیشہ جذبِ تجلّی ہی کام ہی دل کا ‏ ‏ قریبِ آتشِ گل ہی مقام ہے دل کا

وہ جس کے سامنے رنگِ نجوم ہلکا تھا

یہی ستارہ جبینِ ازل سے جھلکا تھا

تمنّا

(۱۹۵)

جب صبح کے آسماں پہ تارے ہوتے ‏ ‏ خاموش نظر میں جب نظارے ہوتے

جب اشک میں گم جہان سارے ہوتے ‏ ‏ تو دل کے قریب کچھ اشارے ہوتے

رہتا نہ حجابِ درمیانی کوئی

ہم ہوتے تمہارے تم ہمارے ہوتے

ہر سانس کے ساتھ ہی تم آتے جاتے
محروم حیات کو جلاتے جاتے
ہر درد کو جزوِ دل بناتے جاتے
ہم دل کے قریب تم کو پاتے جاتے

کچھ اور ہی ہوتا پھر فسانہ دل کا
آنکھوں سے حجاب تم اٹھاتے جاتے

دنیائے سراب ہی تمنا کیا ہے
نظروں ہی کا خواب ہی تمنا کیا ہے
دل خانہ خراب ہے تمنا کیا ہے
خود دل کا جواب ہی تمنا کیا ہے

تم چاہو تو رہ حقیقت بن جائے
افسانوں کا باب ہی تمنا کیا ہے

ممنونِ نگاہ ہے، نگاہِ دل بھی
جلووں ہی کی راہ ہے نگاہِ دل بھی
محفل کی گواہ ہے نگاہِ دل بھی
اک ہالۂ ماہ ہے نگاہِ دل بھی

ہر شب کو عطا کئے ستارے تم نے
اک شامِ سیاہ ہے نگاہِ دل بھی

پردۂ راز

(۱۹۶)

غنچے ظاہر کئے دیتے ہیں جمالِ پنہاں
ظرف اِن بادہ پرستوں کے بہت ہیں محدود

لالہ و گل کے تبسم سے ٹپکتا ہی یہی
متحمل ترے جلووں کی نہیں چشمِ نمود
آ مرے دوست کہ سینے میں چھپا لوں تجھکو

دل میں پنہاں نہیں رہتے ترے انوارِ نظر
بات یہ مجھ کو ستاروں کی پسند آئی نہیں
یہ نہ سمجھے کہ تجھے دیکھ ہی لیں گی آنکھیں
کس طرف شب کے کوئی چشمِ تمنائی نہیں
آ مرے دوست کہ سینے میں چھپا لوں تجھکو

ہیں زمانے سے یہی دیر و حرم کی باتیں
جیسے اِن دونو کانوں میں کوئی رہتا ہو
آنسوؤں کی ہیں نگاہیں ترے چہرے کی طرف
کون جھگڑے میں پڑے کوئی بھی کچھ کہتا ہو
آ مرے دوست کہ سینے میں چھپا لوں تجھکو

تخلیقِ دل

(۱۹۷)

بڑھے عرشِ اعظم کی جانب سے راز
زمینوں کی جانب سے صد ہا نیاز
تھا دل بیچ میں نقطۂ اتّصال
حقیقت میں تخلیق کا تھا کمال
اُدھر غیب تھا اور اِدھر تھا شہود
اُدھر تھا عدم اور اِدھر تھا وجود
ملے دونو آپس میں دل بن گیا
غمِ منفصل، متّصل بن گیا
اُدھر بھی ہے دل اور اِدھر بھی ہے دل
جبھی کائناتِ بشر بھی ہے دل

غرض یہ تھی دونوں کا حاصل بنے
دو عالم کا جامع بس اک دل بنے
تعارف کی آسانیاں کچھ نہ پوچھ
ہیں پہلو میں دونوں جہاں کچھ نہ پوچھ
یہاں سے تھا انساں کو جانا وہاں
ضروری تھی اک منزلِ درمیاں
وہی منزلِ درمیانی ہے دل
مکاں بن کے پھر لامکانی ہے دل

قطرۂ شبنم

(۱۹۸)

متاعِ عمرِ گلستاں ہے قطرۂ شبنم
یہ اشک سوز بھی کیا چیز ہیں خدا کی قسم
خود اپنی موج میں دریا سمٹ کے آہی گیا
جھلک اٹھا سرِ مژگاں جب اک ستارۂ غم
ہے ایک مخفی اشارہ بھی دورِ مینا میں
وہی اشارۂ مخفی ہیں میکدہ میں ہم
ہے ایک موجِ مسلسل تلاشِ ساحل میں
وہی ہے اشک وہی دل ہے اور وہی شبنم

رمزِ عشق

(۱۹۹)

عشق انساں میں ہے تکمیل عمل ہی کے لئے
غمِ امروز حقیقت میں ہے کل ہی کے لئے

کام ہر شے کا زمانے میں جداگانہ ہے
عشق ہی دیدِ حقیقت خرد افسانہ ہے

عشق کے ساتھ ہی ہستی میں طلب بھی آئی
موج ساحل کی طلبگار تھی جب بھی آئی

منتہا عشق کی ہی عشق مگر کس کا ہے
ذرّے ذرّے کی نگاہوں میں اثر کس کا ہے

عشق ہی حسن کا خود سامنے اپنے آنا
کس محبّت سے محبت کو ہی اپنا جانا

سامنے آنے کی منزل ہی مگر بے پایاں
اس لئے عشق کی کچھ حد ہی نہیں اے غمِ جاں

عشق کا کام مسلسل ہی بڑھے جانا ہے
قطرہ و بحر کی تمثیل تو افسانہ ہے

منتہا عشق کا کیوں کر ہو شہودِ محدود
معرفت مقصدِ ہستی ہے مگر نا محدود

ہر قدم دوریٔ منزل سے ہے منزل کے قریب
حدِّ منزل ہی نہیں راہِ محبّت ہی عجیب

مجاز و حقیقت

(۲۰۰)

شان حجاب و حُسن تجلّی ہی بے مثال
آنکھوں میں ہے حجاب، نگاہوں میں ہے جمال

جلووں کی انتہا ہی کہ پردہ نہیں کوئی
اس پر حجاب یہ ہی کہ دیدار ہی محال

اے دل کہاں سے آتے ہیں تجھ میں خیال یہ
بزم خیال میں ہی ترا کون ہم خیال

آتا نہیں سمجھ میں کہ اس میں ہی بھید کیا
ہی آدمی کو اپنی ہی ہستی میں احتمال

متاعِ کارواں

سید سالار مسعود غازی

رحمۃ اللہ علیہ

(۲۰۱)

کہاں سے کہاں ہے تو آج اے نمازی
کہاں سے کہاں تھے وہ مسعود غازی

جنھیں جذبۂ حق یہاں لیکے آیا
سمجھ تو کہاں سے کہاں لیکے آیا

عجب شوق ساحل تھا موجِ رواں میں
کہ بحرِ عرب سے تھی ہندوستاں میں

خداوالوں نے شانِ حق کی دکھادی
سحر نے جہاں پہونچی ظلمت مٹادی

تھے سالار کے ساتھ وہ چند غازی
جو لاکھوں پہ بھاری تھے شیرِ حجازی

وہ پہلی اذاں قلبِ ہندوستاں میں
ملائک جسے سُن رہے تھے جناں میں

وہ تھی لاالٰہ کی پہلی منادی
کہ جس نے زمیں آسماں تک ہلادی

تھے منّادِ خورشید تارے سحر کے
اُٹھا ہی گئے پردے چشم و نظر کے

نہ خالی گیا خون سالارِ دیں کا
بدل کے رہا رنگ آخر زمیں کا

کھلے پھول سینوں میں عرفانِ حق کے
بیاباں چمن بن گئے شانِ حق کے

وہ مسرورِ رحمت ہیں باغِ جناں میں
چمن اُن کا اب تک ہے ہندوستاں میں

خدا چاہے تو حشر تک ہی رہے گا
حقیقت کا دریا ہمیشہ بہے گا
مگر دیکھ اپنا گریباں تو اے دل
کہاں تک مے اہل گلستاں تو اے دل
وہ گنتی میں تھے چند لاکھوں پہ بھاری
کروڑوں یہاں خوف سے ہیں فراری
زمانے کے ہم وہ تھے حق کے پجاری
خدا اُن سے خوش ہم سے دنیا ہی عاری
نہیں حکم قدرت سے کچھ بے خبر ہم
بدل دیں زمانے کو بدلیں اگر ہم

حقیقت سے ہیں دور کب تک فسانے
قیامت کے ہیں منتظر کیوں نجانے

دل سے خطاب

(۲۰۲)

جس نے حقیقتوں کو فسانہ بنا لیا
خود بن گیا فسانہ زمانے کا کیا لیا
اے دل بس اب عطیہ قدرت سے کام لے
تقدیر کو جنوں میں بہت آزما لیا

شرط وفا ہے دوست کے در کا بھی امتیاز
کعبہ وہاں نہیں ہے جہاں سر جھکا لیا

(۲۰۳)

بیٹھے ہوئے ہیں راہ میں گر دز میں بنے
پھر چل رہے ہیں کہ حرم بھی یہیں بنے

دار العمل میں چلتا نہیں حسرتوں سے کام
گردِ جہاں مکاں بنے یا مکیں بنے

بے کوشش ثباتِ گے امید دید کیا
گوہر بنے کہ اشکِ تمنا نگیں بنے

لوح و قلم

(۲۰۴)

زمانہ مردِ مومن کیا کہ خود لوح و قلم تو ہی
بہ عنوانِ مقدّر اصل تحریر و رقم تو ہی

نہیں ہی شک کہ خود مقصودِ ہستی و عدم تو ہی
جہاں ہیں ماورائے کائناتِ کیف و کم تو ہی

جہاں کی انتہاؤں سے ترا آغاز ہوتا ہی
خود اپنے راز کی جانب عروجِ راز ہوتا ہی

وہاں تو ڈھونڈھ دل کو گم جہاں کون و مکاں پائے
نہ کیوں خود بھید اپنا راز بنکر راز داں پائے

یقیں ہی کیا زمین و آسماں جو درمیاں پائے
یقیں وہ ہے جو منزل ہر قدم پر بے گماں پائے

حقیقت کو نہیں پہونچا ہے کوئی داستاں بنکر
تلاشِ مدعا بیکار سعئ رائیگاں بنکر

چاند اور جگنو

(۲۰۵)

یہ پوچھا چاند سے اک روز آ کے جگنو نے — کبھی بتایا نہیں صاف صاف یہ تو نے
یہ تیرے سینے میں داغِ سیاہ کیسے ہیں — کھلے ہوئے یہ قصورِ نگاہ کیسے ہیں
کہا یہ چاند نے جگنو سے سن رفیقِ سفر — بہت ہی دور ہی منزل سے حیف تیری نظر
یہ داغ داغ نہیں ہیں چراغ ہیں میرے — حقیقتاً یہ منور سراغ ہیں میرے
یقین کر یہ مقاماتِ زندگی ہیں سب — انھیں سے گزرا ہی ہستی کا ہر نشانِ طلب
مری حیات تلاشِ دوام ہے جگنو — ہی کرمکِ شبِ تاریک ہی، کہاں ہی تو
سیاہ داغ ہیں دل کے نشانِ سوزِ جگر — سمٹ ہی آیا ہی دل میں جہانِ سوزِ جگر
سناؤں اک تجھے افسانہ رات باقی ہے — انھیں غموں کے لئے کائنات باقی ہے
ہر ایک سوزِ مکمل ہی داستاں میری — خلیلِ رب کا فسانہ ہی اور زباں میری
کسی زمانے میں سن ایک شہرِ بابل تھا — اکیلا شہر وہ دنیائے ساغرِ مل تھا
اسی میں رہتا تھا نمرود بھی اسی میں خلیل — وہ تھا خودی کا نشان اور یہ خدا کی دلیل
ادھر تھی رات، ادھر دن، وہ ظلم یہ حریت — ہمیشہ بیر ہی رکھتی ہی نور سے ظلمت
وہ ناری دل میں بہت نورِ حق سے جلتا تھا — ہمیشہ حق کے پیام و سبق سے جلتا تھا

پیام آپ کا توحیدِ کبریائی تھا
خلاف اس کے اُسے دعوئے خدائی تھا

یہ پوچھا آپ سے اک دن بتا ہی کون خدا
جواب آپ کا سُن کر بہت ہی گھبرایا

کہا خلیل یہاں سے ابھی نکالے جائیں
دہکتے شعلوں میں منجنیق ہی سے ڈالے جائیں

خلیل آگ کے شعلوں میں مسکراتے ہیں
دہکتی آگ کو گلزار ہی بناتے ہیں

مآل اپنا بتایا جو امتحانوں نے
زمیں کو دیکھا تعجب سے آسمانوں نے

بلندی سوزِ حقیقت کی حد نہیں رکھتی
غرورِ خلق کی دنیا سند نہیں رکھتی

بغیرِ عشق نہ سمجھا مقامِ سوز کوئی
مقامِ سوزِ خلیلیؑ ہے یا ہے شبیری

حیات جن کی محبت میں فرد ہوتی ہے
انھیں پر آتشِ نمرود سرد ہوتی ہے

بلند راز کا میں ترجمان ہوں جگنو
شرار و سوز کا روشن نشان ہوں جگنو

مرا پیام، پیامِ جمالِ ہستی ہے
جمالِ ہستیِ دل، سوزِ حق پرستی ہے

ہمیشہ خلق میں ہوتی ہے جانچ انساں کی
بنانا آگ کو گلزار، شانِ ایماں کی

امکان

(۲۰۶)

لہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَاجَّ اِبْرٰھِیْمَ فِیْ رَبِّہٖ الخ قرآن پاک تلک الرسل رکوع ۳/۲ ۵ گوہن

پھر قضا کہنے کو ہی ناداں نئی اک داستاں
اے خرابِ حال تو ہی محوِ افسانہ کہاں

بادلوں میں چھپ نہیں سکتیں چمکتی بجلیاں
اُٹھ کے رہتے ہیں نگاہوں سے حجابِ درمیاں

سُن لیں اقرار کی اے بے خبر نزدیک ہیں
برق ہے بے چین راہیں زیست کی تاریک ہیں

نارِ نمرودی سے پھر شعلے عیاں ہونے کو ہیں
سوزِ دل کے پھر جہاں میں امتحاں ہونے کو ہیں

پھر بنائے باغِ نو، آتش بجاں ہونے کو ہیں
محوِ حیرت پھر زمین و آسماں ہونے کو ہیں

کہہ رہی ہیں حد سے پھر گزری ہوئی بیتابیاں
ہو چکا ہی ضبط سے باہر غمِ سوزِ نہاں

ذرّے پامال حوادث دیر سے دنیا میں ہیں
ہیں بظاہر تو گلستاں میں مگر صحرا میں ہیں

اُس طرف سرشار دورِ ساغر و مینا میں ہیں
اِس طرف موجیں ہزاروں تشنہ لب دریا میں ہیں

ہو گی پھر بعدِ قیامت زندگی پیدا نئی
شرح پھر تقدیر کی کرنے کو ہی دنیا نئی

زندگی پھر موت سے ٹکراؤ پر مجبور ہے
یہ نہ سمجھیں بندۂ دنیا قیامت دور ہے

سوز جب حد سے گزر جائے تو برقِ طور ہے
ہی یہی قانونِ قدرت اور یہی دستور ہے

کارسازِ خلق کی ہی ذرّے ذرّے پر نظر
ہر شکستہ دل صدائیں سُن رہا ہی صبر کر

یاد آنا حق کا ہی پیہم نشانِ انقلاب
لے رہا ہی دل میں کروٹ پھر جہانِ انقلاب
خوب دل میں جانتے ہیں رازدانِ انقلاب
ہر زمانے میں جدا ہوتی ہی شانِ انقلاب

پہلے دنیا سے دلوں کو خود بدلنا ہی ضرور
صبح سے پہلے ستاروں کو نکلنا ہی ضرور

کہدے ہر غمگین دل سے ہو نہ مایوسِ کرم
جانتا ہی ساقیِ میخانہ ہر میکش کا غم
واقفِ اسرارِ ہستی پھر اگر ہو جائیں ہم
حشر تک بھی بھول کر دیکھیں نہ پھر خوابِ عدم

ہستیِ جاوید ہی قربانیوں میں زیست کی
موت ہی دراصل تن آسانیوں میں زیست کی

زندگی میں تیری شانِ زندگی باقی نہیں
بے خبر اِس راز سے اے بادہ کش ساقی نہیں
پھر بھی ہونا نا امیدِ عرفانِ رزّاقی نہیں
عالمِ اسباب کی پابند خلّاقی نہیں

غیب کے پردے میں جنبش پھر نظر آنے کو ہی
شب ہے پھر جانے کو اے دل پھر سحر آنے کو ہی

لا اِلٰہ اِلّا ہُو

(۲۰۷)

کر کے خونِ دل سے وضو
ہو کے کھڑا پھر قبلہ رو

ڈھونڈھ کے رازِ قربِ گلو مانگ کے شیرِ حق کی خو
دل سے لگا اِک ضربِ ہو کس غم میں ہے اے دل تو
گرما دے ملّت کا لہو

لا اِلٰہ اِلّا ہو

کچھ بھی نہیں نمرود کوئی شرک کی ہست و بود کوئی
قدرِ جبینِ مردِ مسلم! غیر نہیں مسجود کوئی
پیشِ نظر رکھ درسِ حسینؑ لاکھ بنے معبود کوئی
بندۂ غیر اور مسلم تو

لا اِلٰہ اِلّا ہو

فضل تھا ابنِ حیدر پر تخت یزیدی ٹھوکر پر
صدہا تلواریں سر پر دستِ قاتل خنجر پر
ہو کے جدا سر سجدے میں نورِ جبینِ اطہر پر
دیکھ کے ششدر چشمِ عدو

لا اِلٰہ اِلّا ہو

بہرِ دلِ مردانِ خدا لافانی تمثیلِ وفا
لاکھ تھے برپا حشر مگر کوہ جگہ سے ہل نہ سکا

بھولے نہ ملت قربانی دین رہِ تسلیم و رضا
نقش ہی منزل میں ہر سو
لا اِلٰہ اِلّا ہو

شانِ مجاہدین

(۲۰۸)

آئے جب معرکۂ رزم میں شیرانِ خدا دیکھ کر شانِ دلِ دشت جبل کانپ اٹھا
ہر مجاہد کا قدم اپنی جگہ کوہِ وفا عزم و ہمت کا وہ عالم کہ فلک گر دیا
جس طرف رخ کیا میدان نظر آئے صاف
خاک میں مل گئی فرعونوں کی سب لاف و گزاف

نازِ کثرت کا تھا وحدت کے مقابل مٹی جب پڑی ضرب تو ثابت ہوئے نر دل مٹی
ہوئی دو چار قدم بیچ میں حائل مٹی کوششِ فوجِ مقابل کا تھا حاصل مٹی
شور تھا نعرۂ تکبیر کا میدانوں میں
نظر آئیں عجب آبادیاں ویرانوں میں

جب تھکے ہاتھ کہیں غازیوں کے واروں سے خود بخود بجلیاں گرنے لگیں تلواروں سے
پوچھ اے چشمِ فلک ان کی روش تاروں سے گزرے جو ہنس کے دہکتے ہوئے انگاروں سے

نارِ نمرود کو گلزار بنا کر چھوڑا
شعلے شعلے میں چمن دل کا کھلا کر چھوڑا

وہ تھے اللہ کے، محکوم تھا عالم اُن کا
بر سرِ عرش نظر آتا تھا پرچم اُن کا
بھرتے تھے ارض و سموات سبھی دم اُن کا
رب کا محبوب، تھا ہادی مکرم اُن کا

چاندنی چاند ستاروں میں نظر آتا تھا
یوں جہاں اُن کے اشاروں میں نظر آتا تھا

ذرہ بھر گرد اگر اُن کی دلوں کو مل جائے
آج پھر سینوں میں ہستی کا گلستاں کھل جائے
سر ہو سجدے میں جہاں، عرش سے اوپر ال جائے
جس طرف آنکھ اُٹھے عالمِ دنیا ہل جائے

شاکیِ دہر مسلمان، عیاذاً باللہ
خطرۂ غیر اور ایمان، عیاذاً باللہ

انجماد بعینہٖ

(۲۰۹)

دلوں کی نا امیدی موت ہی، امید ہستی ہے
خدا کی ذات سے مایوس ہونا بت پرستی ہے

ہر اشکِ مطمئن پر رحمتِ مولیٰ برستی ہے
یقینِ دل ہے وہ دولت جو ہر قیمت میں سستی ہے
کہیں چشمِ خرد نے جس کو بے پردہ نہیں دیکھا
یقیں سے پوچھ اُسے کس بزم تنہا نہیں دیکھا

خدا کے حضور میں

(۱۲۱۰)

شفق کے جام سے اب تک لہو کس کا ٹپکتا ہے
ستاروں سے مذاقِ جستجو کس کا ٹپکتا ہے
فضائے محو سے رنگِ شبو کس کا ٹپکتا ہے
سمائے گم سے کیفِ آرزو کس کا ٹپکتا ہے
نظر تیری طلب میں کس نے یارب چار سو کی ہے
ہر اک ذرے میں بے حد کس نے تیری جستجو کی ہے
ابھی تک ہر جگہ سجدوں کے ہیں کچھ کچھ نشاں باقی
ہماری خاک ابھی کچھ کچھ ہے زیرِ آسماں باقی
ہماری ذات کا دنیا میں اب تک ہے گماں باقی
ہماری داستاں باقی ہے لیکن ہم کہاں باقی
نہ وہ محفل، نہ وہ منظر نہ وہ ذرے رہے باقی ہیں
ہماری شکل میں کچھ بزم کے افسانے باقی ہیں
یہ کیوں ہم مٹ گئے یارب سمجھ میں کچھ نہیں آتا
غلط کوشی کو اپنی آپ ہی کب دل غلط پاتا

دعا یہ ہے نگاہوں سے ذرا سا پردہ اٹھ جاتا
مسلماں اپنی جانب دیکھ کر کچھ دل میں شرماتا

عطا اشکِ ندامت کر ہماری چشمِ حیراں کو
مسلماں پھر بنا دے یا خدا پھر ہر مسلماں کو

ہو تیرا درد یارب پھر ہماری زندگی یارب
محبت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو ہماری بندگی یارب

ہر اک ذرّے میں دل کے ہو تری تابندگی یارب
ہے پھر رحمت کا طالب گریۂ شرمندگی یارب

کرم کی التجا حاصل ہمارے دفترِ غم کا
بجز تیرے ہے پرساں کون یارب چشمِ پُرنم کا

کارواں

(۲۱۱)

خیالِ برق و آشیاں، حذر حذر گماں گماں
تلاش میں رواں دواں نشاں نشاں ہے کارواں

سوائے طور کچھ نہیں قریب و دور کچھ نہیں
حجابِ نور کچھ نہیں، بلند عزم آسماں

چمن چمن نمودِ دل، بہارِ ہست بودِ دل
شہود ہے شہودِ دل، نگاہ تیری ہے کہاں

وہ شمعِ بزمِ کبریا، جمالِ ذاتِ مصطفےٰ
منوّر رہِ ہدیٰ، سرِ حیات جاوداں

ستارے صبح کے ہیں کیا، ہر حبیبؐ وہ نقشِ پا
جمالِ راہِ منتہا، قدم قدم پہ ہیں عیاں

نکل غبارِ راہ سے، نہ ڈر شب سیاہ سے
بلند مہر و ماہ سے، دلِ فدائے آستاں

غدّاری

(۲۱۲)

ڈھا کے کعبہ کو جو بنیادِ حرم بنتے ہیں
کس قدر بانیٔ ایثار و کرم بنتے ہیں
اصل کو بھول کے آثار پہ رونے والے
دل میں یہ خوب سمجھتے ہیں کہ ہم بنتے ہیں

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

(قرآن پاک)

اشاراتِ معنیٰ

(مجموعہ رباعیات)

گویا جہان آبادی

نذر

مہِ جامعہ، شمعِ دار العلوم | وہ ذاکر حسین اور حد سپاس
مجسّم مناقب ہی اُن کو کہیں | فضائل ہیں جن میں ورائے قیاس

ہے دل شاد گویا نظر مطمئن
اشارات ہی نذرِ معنیٰ شناس

جامعِ مکارمِ اخلاق و علوم، علامہ ذاکر حسین خاں صاحب وائس چانسلر
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمت میں

عقیدت کیش
ضامن حسین گویا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

(۱)

وہ جلوۂ معنیٰ کے اشاراتِ جمیل
حیران ہیں دنیائے مثال و تمثیل
ہر شخص نظر آتا ہے قائل اپنا
توحیدِ حقیقی نہیں محتاجِ دلیل

(۲)

دیباچۂ توحید ہے تحریرِ جہاں
ہیں سامنے اسرارِ معانی کی زباں
مفہوم ہی دنیائے نگارش کا وہی
جو فہم سے باہر ہی قریبِ دل و جاں

(۳)

بے نام ہے سکونِ ہستی مفقود
کس منہ سے مگر نام لے قلبِ محدود
معلوم ہوا گدائے در کی مدحت
سجدوں کی زباں میں ہے مدحِ مسجود

(۴)

بے مثل مثال میں کہاں سے لاؤں
بالفرض محال میں کہاں سے لاؤں
جو ہو نہ خلافِ تیری یکتائی کے
یارب وہ خیال کہاں سے لاؤں

(۵)

اے نورِ یہ تنویر فراواں تیری
ہے ذرّوں میں تفسیر درخشاں تیری
ظلمت بھی نہیں تیرے کرم سے محروم
ممنوں ہے شب ماہ بداماں تیری

(۶)

غنچہ تو نسیم سمجھے تجھکو یارب
اور پھول شمیم سمجھے تجھکو یارب
عبرت کا مقام ہے یہ اللہ اللہ
بندہ نہ کریم سمجھے تجھ کو یارب

رسالت

(۷)

دارین ہے اک ذرّہ رسالت خورشید
بے پرتوِ خورشید نہیں عالمِ دید
اللہ کی رحمت کا ہو منکر انساں!!
اقرار رسالت کا ہے جزوِ توحید

(۸)

سرچشمۂ رحمت و رسولِ اکرم
سرتاجِ انبیا و فخرِ آدم
خورشیدِ کائنات و ماہِ طیبہ
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم

(۹)

موسیٰ شرفِ پاک بتانے آئے
عیسیٰ خبر آمد کی سنانے آئے
حاصل تھے خلیل کی دعاؤں کا وہی
جو پردے نگاہوں سے اٹھانے آئے

(۱۰)

معراج صفات کا پتا دیتی ہے
صدر رفعتِ ذات کا پتا دیتی ہے
تا منزلِ منتہا ہے کامل انساں
مقصودِ حیات کا پتا دیتی ہے

(۱۱)

یہ تم نے بتایا کہ زمانہ کیا ہے
دنیا کا حقیقت میں فسانہ کیا ہے
طے کر لئے اک لحظہ میں دونوں جہاں
جلووں کے لئے آئینہ خانہ کیا ہے

(۱۲)

آ اے دلِ مشتاق بصد تعظیم آ
اس بزم میں از راہِ سرِ تسلیم آ
رحمت کا مقام ہے حضورِ اقدس
صلّوا علیہ وسلِّموا تسلیما

آل واصحابِ پاک

صلے اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلّم

(۱۳)

اے طالب انوار فیوض حرمین
ہے نور ہی انوار کا سرچشمۂ عین۔
اس نورِ دو عالم کی ہیں تفسیریں پانچ
رکھ یاد، نبی، علی، بتول و حسنین

(١٤)

وہ ماہِ دو عالم ہیں ستارے اصحاب[1] — محبوب ہیں محبوب کے پیارے اصحاب
اللہ کی رحمت ہو سبھی پر آ دل — ہیں منزلِ مومن کے سہارے اصحاب

(١٥)

صدیق ہیں صدیق[2] عمر عادل[3] تر — عثمان[4] ہیں ایمان و حیا کے گوہر
اللہ غنی رتبۂ اعلائے علی — مولیٰ ہیں کل امت کے بفتوائے خبر[5]

(١٦)

دل سے جو پکارا انہیں ہر صبح و مسا — میخانۂ اسرار سے آئی یہ صدا
سن طالبِ انوارِ شہود و عرفاں — میں شہر ہوں علم کا علی دروازہ

(١٧)

عالم میں نہیں بزمِ رسالت کی مثال — ہے شمع کے پروانوں میں تفریق محال
ایک ایک نظر آتا ہے قربانِ نور — شیدائے نبی، اویس و سلمان و بلال

(١٨)

شبیر کی قربانی کامل یہ درود — دل میں غمِ ہستی ہے نہ احساسِ وجود

[1] أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ [2] لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا [3] إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَىٰ لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهِ [4] إِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ [5] مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ (احادیث گرامی)

ایک ایک جگر گوشہ فدائے حق ہے — سو جان سے بقائے لاالٰہ مقصود

نصب العین

(۱۹)

بے سوزِ یقیں پھینکا کرے لاکھ کمند — ہمدوشِ ثریا نہیں ہو سکتی سپند[1]
افلاک ہیں کیا، عرش سے بڑھ جاؤ گے — تم سامنے رکھو نصب العینِ بلند

(۲۰)

پہونچیں نہ فرشتوں کی نگاہیں بھی جہاں — نقشِ قدمِ آدمِ خاکی تھے وہاں
یہ بھی نہ تھی انساں کی معراجِ کمال — ہے حاصلِ تخلیق، مکمل انساں

(۲۱)

ناداں نہ سمجھ کہ اک کہانی تو ہے — قدرت کی عظیم تر نشانی تو ہے
اے بے خبر منزلِ علم و ادراک — سیارۂ افلاکِ معانی تو ہے

(۲۲)

وہ راز ہے تو جس کی بڑی ہے تفسیر — ہر صفحۂ عالم پہ ہے انساں تحریر
جو آپ کو پہچانے حقیقت اس کی — انساں نہیں تا حدِ شکل و تصویر

[1] سپند، رائی

(٢٣)

ہو دل کی بصیرت نہ اگر گم تیری — انسان ہے بزمِ مہ و انجم تیری
اشکِ سرِ مژگاں سے ذرا گوہر بن — پھر دیکھ جگہ، سینۂ قلزم تیری

(٢٤)

اب تک ترے آگے ہیں فرشتوں کی جبیں — افسوس مگر یہ ہی نہیں تجھکو یقیں
کب سے مہ و خورشید کی تجھ پر ہے نظر — اے بے خبرِ ذات! تجھے ہوش نہیں

نفسیات

(٢٥)

یہ تجھ میں یقینِ اپنا کہاں سے آیا — کیوں تو ہی بلا دلیل قائل اپنا؟
کس سوچ میں ہے دیکھ اٹھا کر یہ حجاب — یہ کام نہیں ہے آب و گل کا گویا[1]

(٢٦)

قطرے کو عطا ہوتی ہے شانِ دریا — پھر ظرف کے انداز کو اک موجِ انا[2]
جب بڑھ کے سفینہ کو ڈبوتی ہے خودی — انسان کو چل جاتا ہے ساحل کا پتا

(٢٧)

[1] مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ [2] خودی

دیکھا نہ مری سمت اُٹھا کر آنکھیں — ساقی نے دیا جام بچا کر آنکھیں
جب کر چکا دنیائے خودی کی تکمیل — پھر توڑ دیا جام ملا کر آنکھیں

(۲۸)

رنگین شعاعوں میں نظر یہ آیا — گلشن ہی کہیں اور نہ کہیں کوئی فضا
ہے پردۂ ادراک پہ تصویرِ بہار — نقاشِ معانی ہے جمالِ معنیٰ

(۲۹)

جب وہ نظر آیا تو نظر آیا میں — نظروں میں تھا نظروں میں اِدھر آیا میں
اتنا سا رہا موج میں پردہ باقی — تا حشر تڑپنے کو ابھر آیا میں

(۳۰)

میں[1] کچھ ہے نہ تو کچھ ہے نظر کی باتیں — اے آنکھ کہاں ہیں یہ کدھر کی باتیں
بس علم کی انساں کے حقیقت یہ ہے — جیسے کہ سرِ شام سحر کی باتیں

(۳۱)

تو پھول کھلا شاخِ تمنّا اپنا — تو اُس کی محبت ہی وہ تیرا اپنا
آنا نہ کسی غیر کے بہکانے میں — تو ڈھونڈھ اسے خود میں پتا پا اپنا

---

[1] مرکز تصوّر ذات (انا)

معارف

(۳۲)

جب آنکھ کھلی تو گم زمانہ پایا — عنوان میں محو ہر فسانہ پایا
جب اور ہوئی بلند پروازِ دل — طائر نے کہیں نہ آشیانہ پایا

(۳۳)

ہستی ہی ابھی پردۂ در تک اے دل — غم آتے ہیں آتے ہیں نظر تک اے دل
خود دیکھ کے خورشید کو چھپ جاتے ہیں — ہے بزم ستاروں کی سحر تک اے دل

(۳۴)

دل پاس نہیں ہے کہ جگر پاس نہیں — ہستی سے مگر اپنی بشر پاس نہیں
دوری کا سبب اصل میں نزدیکی ہے — دریا ہی میں دریا سے گہر پاس نہیں

(۳۵)

یہ سوچ کہ جب دل ترا بھر آتا ہے — نزدیکِ جبیں کون نظر آتا ہے
بیگانۂ خود نام اسی کا ہے خدا — شہ رگ سے جو قریب تر آتا ہے

(۳۶)

وہ جس کی نگاہ میں فقط اوست ہی ہے — وہ مردِ خود آگاہ خدا دوست ہی ہے

خود بینی نہیں تھی خود آگاہی ہیں ۔۔۔ بے معرفت مغز، خودی پست ہی ہی

(۳۷)

کیا حیرت نظارہ نہ پوچھ اے دمساز ۔۔۔ نظارہ حیرت نہ حقیقت نہ مجاز
وہ سامنے آپ کبھی خود آئے تھے ۔۔۔ اب تک ہے بہار درِ جہاں گلشن راز

(۳۸)

دل کو تو چمن میں یہ نظر آیا ہے ۔۔۔ اِک راز کو سو سو طرح سمجھایا ہی
مفہوم گلستاں کا ہی واحد لیکن ۔۔۔ ہر گل نے نئے رنگ سے دُہرایا ہی

(۳۹)

معصومیٔ احساس ہے مستِر ناز ۔۔۔ ہیں بزم گلستاں کے یہی رازونیاز
رہنے دے یہیں رنگِ چمن اے شبنم ۔۔۔ کلیوں سے نہ کہدینا کہیں اصل راز

(۴۰)

جلووں میں ترے شہود اپنا سمجھا ۔۔۔ محفل میں تری وجود اپنا سمجھا
میکش سے یہ کیا کہدیا چشمِ ساقی ۔۔۔ میخانہ ہست و بود اپنا سمجھا

(۴۱)

یہ تیری خودی اے دلِ ناداں کیا ہی ۔۔۔ جو خود میں ہو محدود وہ عرفاں کیا ہی
اِک موج میں گم جس کی ہزاروں عالم ۔۔۔ اُس بحر میں اک قطرۂ مژگاں کیا ہی

(۴۲)

دنیا تو نظر کی ہے نظر تک دنیا
منہ پھیر لے انسان تو گلشن نہ فضا
بعد اس کے نہیں کیا دلِ ناداں کچھ بھی
اے کاش ترا ظرف تجھے شرماتا

(۴۳)

کس سے کہوں افسانۂ ویرانۂ دل
سننے کی نہیں ہے متحمّل محفل
پردے کے سہارے ہیں نقوشِ پردہ
اس بزم میں پردے کا اٹھانا مشکل

(۴۴)

دیوانگی و ہرزہ سرائی میری
جیسے کہ ہو بڑی رسائی میری!!
مجذوب کی بڑ ہی ہوں مجسم گویا
اللہ عجب ہے بے نوائی میری

(۴۵)

ہے ہوش کی حد ہوش بھی بے ہوشی بھی
دوری بھی حقیقت سے ہم آغوشی بھی
مے ایک ہے جیسا بھی ہو ذوقِ میکش
ہے دوربیں نظارہ بھی روپوشی بھی

(۴۶)

عرفان ہے معصوم نگاہی دل کی
آنسو دیا کرتے ہیں گواہی دل کی
عارف نہ سمجھنا مدعی کو گویا
برسوں نہیں کھلتی ہے سیاہی دل کی

(۴۷)

دریائے معارف کے وہ گوہر غلطاں — دل جن کا تھا گنجینۂ راز و اسرار
وہ رب سے طلب کرتے تھے اک قطرہ درد — بے درد کے عرفان، فریبِ پندار

نظریات

(۴۸)

انوار و حجاب ایک ہوئے ہیں مل کر — مجموعۂ اضداد کو کہتے ہیں نظر
تم حد پہ نگاہ کی پہونچ کر سوچو — کثرت میں نظر آتی ہے وحدت گیں کر

(۴۹)

جب فہم سے گم فہم کا مفہوم ہوا — گم کردہ خود منکرِ قیوم ہوا
انسان کرے حیف خدا کا انکار — معلوم ہوا کچھ بھی نہ معلوم ہوا

(۵۰)

اس سمت زمیں اور ادھر بزمِ فلک — لیجاؤ ذرا دل کو کشش کی حد تک
کس مرکزِ واحد سے ہے وابستہ جہاں — ہوتا ہے تخیل سے کلیجا دھک دھک

(۵۱)

ترتیب و تناسب کی مثالیں گم ہیں — حیرت ہے یہ گردش میں مہ و انجم ہیں
اللہ کی قدرت ہی نظر آتی ہے — اس راہ میں ہمراہ سو کیا ہم تم ہیں

(۵۲)

وجد آتا جب سامنے آتا ہی نظام
چھا جاتا ہی ادراک پہ حیرت کا مقام
کر غور ذرا دل میں کہ سر سے پا تک
انسان ہی کس حکمتِ بے پایاں کا نام

(۵۳)

تو کچھ بھی نہ سمجھے تو نہیں کیا کچھ بھی
نا سمجھی سے تیری نہیں ہوتا کچھ بھی
ہر اپنی جگہ منزلِ خورشیدِ حیات
تو اپنی جگہ گرد ہی سمجھا کچھ بھی؟

(۵۴)

اِک علم سے اللہ کا نائب انساں
اِک علم سے خوار ازلی ہی شیطاں
عرفان اِک گوہرِ عِلم الاسما
اشکِ دلِ مومن کہاں، ابلیس کہاں

تفسیرِ راز

وحدتِ شہود

(۵۵)

یہ راز تری فہم کو معلوم نہیں
خارج میں کوئی علم کا مفہوم نہیں
جو کچھ نظر آتا ہی ہر سو تجھ کو
سب علم میں اس کے ہی یہ موہوم نہیں

(۵۶)

دارین ہی اک پرتوِ علمِ باری ہر شے پہ ہی اک وحدتِ علمی طاری
کیا ذرہ و خورشید و نجوم و مہتاب ہی بحرِ شہود اپنی فضا میں جاری

ہمہ اوست

(۵۷)

اے دوست ہمہ اوست میں کیا ہی ہمہ پہلے ہی تو غیر اس کے سوا مان چکا
موجود اگر دو ہیں تو وحدت کیسی وحدت ہی حقیقی تو یہ تفریق ہی کیا

ارتقائے نفس انسانی

(۵۸)

اپنے کو ہمیں پڑھنا ہی رفتہ رفتہ ہستی کی طرف بڑھنا ہی رفتہ رفتہ
ہیں موج کے ارتقا میں لاکھوں وہ نقوش دامن پہ جنھیں کڑھنا ہی رفتہ رفتہ

تقدیر افراد

(۵۹)

ہی کس لیے اے قائلِ قدرت دلگیر فطرت کا ہی قانونِ مقرر تقدیر

جس میں ہے بڑی بھر عمل گنجایش	مٹی کو بنا سکتی ہے محنت اکثیر

تقدیرِ امم

(۶۰)

بیداریٔ افراد ہے تقدیرِ امم	روشن بہ والنجم میں ہے تفسیرِ امم
ہر ذرہ ہو محوِ آفتابِ واحد	توحید سے افلاک پہ تنویرِ امم

عملی شکر

(۶۱)

ہر نعمتِ قدرت کا صحیح استعمال	اللہ کا ہے شکرِ حقیقی ہر حال
جاتی نہیں برباد کسی کی محنت	دہقاں کے پسینے ہی سے کھیتی ہے نہال

سعیٔ مسلسل

(۶۲)

اے دل سے کہتے ہیں تلاش جاری	ہر موج پہ ہے شوق مسلسل طاری
ساحل کی طلب میں ہے بھنور لحظہ رواں	محرومیٔ قسمت ہے فقط سرشاری

(۶۳)

وہ خاک جسے گرد سمجھتے ہیں قدم
دامن سے جسے جھاڑ کے بڑھ جاتے ہیں ہم
مجموعہ ہے اُن ذرّوں کا اے محرمِ راز
ہیں محوِ عمل جن میں ہزاروں عالم

(۶۴)

دنیا میں کسی چیز کو بیکار نہ جان
دامن ہی بچانے کے لئے خار نہ جان
غم کانٹوں سے سو پھول کھلا سکتے ہیں
جو کام ہو دشوار اسے دشوار نہ جان

نتائجِ اعمال

(۶۵)

ہر بیج میں خود اس کا ہی پھل آتا ہے
کانٹا ہو کہ پھول نکل آتا ہے
تو بوئے گا جو کچھ بھی وہی پائے گا
گل آگ میں پانی میں کنول آتا ہے

(۶۶)

جاری ہے جہاں تک ترا بابِ ہستی
لکھتی ہے ہر اک سانس کتابِ ہستی
پڑھ لیگا ہر اک نفس خود اس دن گویا
دینا پڑا جس روز حسابِ ہستی[1]

[1] اِقْرَءْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (قرآن پاک) اپنی کتاب پڑھ آج تجھ سے محاسبہ کو خود تیرا نفس کافی ہے۔

عبدیّت

(۶۷)

ہے بندگی اک راز مگر ناز نہیں
وہ ساز ہی جس میں کوئی آواز نہیں
پہنچی ہی وہاں یہ بے نوائی گویا
جبریل کی اب تک جہاں پرواز نہیں

سجدے

(۶۸)

ہی عقل تو ہوش نارسائی کے لئے
اور اک ہی عجز انتہائی کے لئے
ان دونوں سے باہر وہ مقامات ہیں
جو خاص ہیں دیدِ ماورائی کے لئے

(۶۹)

سجدہ ہی اسی مرکزِ توحید کا نام
بندے کو بتاتا ہی جو خود اس کا مقام
دل جھکتا ہی تو سر خود ہی جھک جاتا ہی
کیا سامنے خورشید کے سایہ کا ہے کام

خودشناسی

(۷۰)

اے عشق کر عرفان کی کچھ شرح مزید
خود، خود کو پہونچ جانا، تو ہی امر بعید
کہنے لگا عشق مسکرا کر گویا
مجنوں، بہ نگاہ لیلے باید نگرید

باقی و فانی

(۷۱)

کچھ شک ہی نہیں اگرچہ فانی ہوں میں
لیکن بہ بنائے جاودانی ہوں میں
کیوں موجِ مسلسل نہ ہو ہستی گویا
کس بحرِ شہود کی روانی ہوں میں

اشاراتِ حیات

(۷۲)

ہر گز نہیں محدود مقاماتِ حیات
اے محوِ خودی، لاکھ نشاناتِ حیات
محدود نہ اس موج میں دریا کو سمجھ
دریا ہیں روانی میں اشاراتِ حیات

حیات

(۷۳)

ہی زیست تری زندہ حقیقت کا ظہور
ہمت کی بلندی سے ہے انساں سرِ طور

اِک پھونک حیات کی ہی وہ بھی گویا　　اعجاز زمانے میں ہیں جس کے مشہور

(۷۴)

طوفان گھٹاؤں کے سمٹ جاتے ہیں　　دل برق کی اک ضرب سے پھٹ جاتے ہیں
اللہ غنی زلزلۂ ضربِ حیات　　طبقے بھی پہاڑوں کے اُلٹ جاتے ہیں

(۷۵)

کس ذرے کے دل میں نہیں بستا حیات　　انساں کی مگر اور کچھ ہی شانِ حیات
قربانیٔ افراد سے قومیں زندہ　　کچھ اور ہی ہو جاتے ہیں سامانِ حیات

(۷۶)

شانِ مہِ معراج زرا دیکھ لے دل　　ہی فاتحِ دارین حیاتِ کامل
قدموں پہ نظر آتے ہیں دو نو عالم　　پردہ ہی نہیں بیچ میں کوئی حائل

الحاد

(۷۷)

پوچھا کسی عارف سے یہ کیا ہی الحاد　　آباد جہاں قلبِ بشر ہی برباد!!
کہنے لگا دل بھول گئے ہیں خود کو　　گم ہوتی ہیں تعمیریں بھلا کر بنیاد

(۷۸)

میخانے کو پہلو میں لیئے بیٹھا ہے
معلوم نہیں کتنی پیئے بیٹھا ہے
جب آنکھ کھلیگی تو نشہ اتریگا
ہستی ہی کو دل محو کیئے بیٹھا ہے

جمالیات

(۷۹)

صد شکر کہ وہ آج ادھر تو آئے
اے دل قدم اُن کے مرے گھر تو آئے
مہمانی کا ساماں بھی ہو جائیگا
مگر پہلے مجھے اپنا نظر تو آئے

(۸۰)

فردوس مسلسل غمِ ہستی کا جہان
پاکر تبسم انھیں آئی ہے جان
اظہارِ غمِ دل کی ضرورت گویا
سب کچھ ہے نگاہوں میں دل و جاں قربان

(۸۱)

جو چہرہ یہ اُن کے کبھی پایا نہ گیا
وہ پردہ نگاہوں سے اُٹھایا نہ گیا
بے پردہ انھیں دیکھا ہے آنکھوں نے کہاں
خود چہرہ کبھی جن سے چھپایا نہ گیا

۸۲

احساس کے پردے بھی بہت رنگیں ہیں
ابر و شبِ مہتاب و مہ و پرویں ہیں
جلووں کو نقاب کی ضرورت گویا
وہ سامنے دل میں چمن تزئیں ہیں

(۸۳)

ہمدم ہی ترا اور مرا اور خیال
ہی سامنے ہر آنکھ کے خود اپنا حال
قدر اُن سے کوئی پوچھے شکستہ دل کی
خورشید کی نظروں میں ہے شبنم کا جمال

(۸۴)

آؤ نہ چلو سیرِ گلستاں کر لیں
ہم خود کو نہاں تم کو نمایاں کر لیں
ہو جائے گی پھر آپ ہی تکمیل بہار
جلووں کو شریکِ غمِ حرماں کر لیں

(۸۵)

دل بننے سے پہلے مجھے غم بنّا تھا
کہسار و بیاباں کے قدم بنّا تھا
عالم کو لئے ساتھ پھر دیوانہ
بتخانے کو آخر میں حرم بنّا تھا

(۸۶)

اے صبح کے تارے نہ بتا میں سمجھا
افلاک نہیں سوز ترا میں سمجھا
ہی یاد میں اُس نور کی نم آنکھ تری
دل چاہتا ہی بنّا مرا میں سمجھا

(۸۷)

ہیں فیض سے ساقی کے نظارے مے ناب
نغمے ہیں مرے کہکشان و مہتاب
ہی سینے ہی میں ساز غم دل گویا
لیتا ہوں دمِ سرد سے کارِ مضراب

(۸۸)

کلیوں کے تبسّم تو سبھی دیکھتے ہیں
تاروں کے تکلّم تو سبھی دیکھتے ہیں
اے دیدۂ مشتاق ذرا آگے بڑھ
وہ ہیں، مہ و انجم تو سبھی دیکھتے ہیں

(۸۹)

جو دیکھ رہا ہو سرِ میخانہ اُدھر
کیا اُس کے لئے گردشِ جام و ساغر
بیکار نہیں فرقِ حجاب و جلوہ
مخفی نہیں اُن سے کسی سنگیش کی نظر

(۹۰)

اے شب کو ستاروں میں ٹہلنے والے
پردے سے سرِ شام نکلنے والے
بن کر یہ نظارہ سما جا دل میں
ورنہ مرے آنسو ہیں مچلنے والے

(۹۱)

پوچھے کوئی اشک آنکھوں میں کیا سنتے ہیں
کہدے کوئی وہ دردِ گدا سنتے ہیں
کیوں محوِ فسانہ ہی بہر دم گویا
خاموش وہ نظروں کی صدا سنتے ہیں

اخلاقیات

(۹۲)

مغرور پہاڑ خاک پتھر نکلے
ہاں تہ میں سمندروں کی گوہر نکلے
دعویٰ تھا جنھیں انھیں نہ پایا کچھ بھی
خاموش عمل بڑے سمندر نکلے

(۹۳)

خود رتبہ ترا دو چند ہو جائیگا
لاریب کہ تو ارجمند ہو جائیگا
اُٹھ نفس پرست عالمِ ایثار میں آ
بن ابرِ کرم بلند ہو جائیگا

(۹۴)

ذرّوں سے ہوا کرتے ہیں صحرا پیدا
قطروں سے ہوا کرتے ہیں دریا پیدا
اُن اشکوں سے طوفان اُٹھا کرتے ہیں
کرتے ہیں تلاطم جنھیں پیاسا پیدا

(۹۵)

ہی یاس قیامت ہی سفینے کے لئے
مایوس مرا جاتا ہی جینے کے لئے
ساحل ہی کا انکار عیاذاً باللہ
زیبا نہیں یہ موج کے سینے کے لئے

(۹۶)

سرچشمۂ خیر کہ لافانی ہے
حق کوشی و حق بینی و حق دانی ہی
انسان ہی حق کا ہی امینِ ازلی
دریں عجب گوہرِ لاثانی ہے

(۹۷)

صادق ہی ترا اشک تو موتی سچا
قدموں پہ زمانے کے یہ گوہر نہ لٹا
ہی اس کے لئے دامنِ رحمت مخصوص
مشہور ہی دنیا میں غریبوں کا خدا

(۹۸)

اخلاق کی تعمیر ہے خودداری پر
قدر اپنی کیا کرتا ہی خود فہم بشر
جب شانِ خدا خود میں نظر آتی ہی
ہستی پہ برستے ہیں فضائل کے گوہر

(۹۹)

احکام الٰہی نہیں ہوتے تبدیل
ہمدم یہ حقیقت نہیں محتاجِ دلیل
دنیا کو بدلنا ہی تو خود پہلے بدل
خود قلب کیا کرتا ہی غالب تشکیل

(۱۰۰)

مدح و ذمِ دنیا کی جو پروا نہ کرے
جو آپ کو شرمندۂ دنیا نہ کرے
کرتی ہی خود ہی قدر حقیقت اُس کی
قدر اُس کی کوئی اور کرے یا نہ کرے

(۱۰۱)

کردار سے پہچان مقامِ ایماں
ایمان کے معنیٰ ہیں فریبوں سے اماں
تو دام میں تزویر کے پھنسنا نہ کہیں
سبزے کی طرح ہوتی ہی کائی نادان

(۱۰۲)

شیطان جنھیں راہ سے بہکاتا ہے
افلاس کی جانب بھی اُنھیں لاتا ہی
اسراف کی دنیا میں سکھا کر رسمیں
ایمان کو بازار میں بکواتا ہے

(۱۰۳)

کعبہ نہ اگر دل ہو تو ہستی بت ہی
انسان کی ہر رفعت و پستی بت ہے
یہ سچ ہی مگر ہستی کے بت خانے میں
سب سے بڑی سرمایہ پرستی بت ہے

(۱۰۴)

میری ہی فقیری، نہ فقیری میری
کیا بندۂ دنیا کی مریدی پیری
جو مانگنا تجھکو ہو بس اللہ سے مانگ
اسلام سکھاتا نہیں ہر در گیری

(۱۰۵)

اِس سمت خزانہ ہی، اُدھر دولتِ دید
ہیں سامنے نظروں کے حسینؑ اور یزید
انجامِ تقابل نہیں سمجھی دنیا
بے حشر کے ممکن ہی نہیں شرحِ مزید

(۱۰۶)

پروانہ جو بنتا ہو وہ پروانہ نہیں
دنیا ہی کا دیوانہ ہی دیوانہ نہیں
اِک آنچ میں ہوتا ہی طمع غایب
گویا یہ حقیقت ہی کچھ افسانہ نہیں

(۱۰۷)

خود ہی کو نہیں کرتے ریائی برباد
ہی دینِ ریائی سے خدائی برباد
برباد نہیں ہوتی ہی کوئی ملت
جب تک نہ کریں اس کو دغائی برباد

پیغامِ عمل

(۱۰۸)

پیغام ہی اسلام کا پیغامِ حسینؓ
شمع سرِ منزل ہی ہر اِک گام حسینؓ

دل طبقۂ باطل کو الٹ دیں گویا
ہر سینے میں ہو نقش اگر نام حسینؓ

(۱۰۹)

جینا ہی تو جینے کا سلیقہ سیکھو
مرنا ہی تو پھر جان کا دینا سیکھو

کس طرح جیا کرتے ہیں مرجاتے ہیں
اسلام سے دونوں کا طریقہ سیکھو

(۱۱۰)

پیغامِ حیات، لا اِلٰہ اے دل
ہی نکتۂ ذات، لا اِلٰہ اے دل

ہی نعرۂ توحید فقط، الا اللہ
کیا لات و منات، لا اِلٰہ اے دل

(۱۱۱)

باحق ہو تو ناحق کا مٹانا سیکھو
باطل کے دباؤ میں نہ آنا سیکھو

ہی سامنے آنکھوں کے ہی تمثیلِ حسینؓ
انگاروں کو گلزار بنانا سیکھو

(۱۱۲)

جو قطرہ تلاطم سے نہیں ڈرتا ہی
اُس کی مدد اللہ کیا کرتا ہے

ایمان سلامت ہے تو منزل آساں
بے موت مسلمان نہیں مرتا ہی

(۱۱۳)

جس پر نگہِ فضلِ خدا ہوتی ہے
توفیق عمل اُس کو عطا ہوتی ہے
کھُل جاتی ہے خود بخود حقیقت گویا
سینے میں حبابوں کے ہوا ہوتی ہے

(۱۱۴)

قربانی کے اسرار بتاتی ہے بہار
غنچوں کے لہو سے گل کھلاتی ہے بہار
بے کار تماشائے گلستاں گویا
بے خونِ جگر تو نہیں آتی ہے بہار

(۱۱۵)

ہو دور حقیقت سے فسانہ بن کر
تنکوں سے رہا نہ آشیانہ بن کر
گرتی ہے جبھی تم پہ ہمیشہ بجلی
تم رہ گئے گلشن میں نشانہ بن کر

(۱۱۶)

گردش میں نہیں جامِ عالم گویا
محکم ہے یہ انتظامِ عالم گویا
ہر سعیٔ عمل بغیر تنظیم عبث
ہے درسِ عمل نظامِ عالم گویا

(۱۱۷)

جب دل بدل گئے زمانہ بدلا
طائر جو بدلے آشیانہ بدلا
افسوس ترے حال پہ اے محوِ جمود
تو بدلا نہ کچھ ترا فسانہ بدلا

(۱۱۸)

سو جان سے ہر دم رہِ حق پر قرباں! قربانیِ پیہم ہی مسلماں عرفان
آوازِ سحر آئی یہ دل میں گویا انسان ہی ایثار کی حد تک انسان

(۱۱۹)

پیغام ہی ہر ظلم سے بیزار بنا پھر حق سے مسلماں کو خبردار بنا
آدم کی ہی تعلیم و تعلّم فطرت بن آدمی اور محرمِ اسرار بنا

(۱۲۰)

کانٹوں سے یہاں پھول کھلانا سیکھو دامانِ چمن کھینچ کے لانا سیکھو
ہر ذرّہ عالم میں بڑی وسعت ہے، ہمّت سے غمِ دل کا بسانا سیکھو

(۱۲۱)

ہر ذرّہ پھر آفتاب ہو سکتا ہے خورشید کا پھر جواب ہو سکتا ہے
محدود نہیں رہِ ترقی ناداں کر کام کہ کامیاب ہو سکتا ہے

(۱۲۲)

ہر جام نے جب مُل کی جگہ لے لی ہو ہر غنچے نے جب گل کی جگہ لے لی ہو
اُس دورِ ترقی میں کہاں جائے جمود ہر جزو نے جب کل کی جگہ لے لی ہو

---

(۱۲۳)

ہر کام کا اِک رِدِّ عمل ہوتا ہے — گویا جو عمل کا قدرتی پھل ہوتا ہی
باہر سے نہیں آتا ہی قوموں پہ عذاب — اپنے ہی کیئے کا ما حصل ہوتا ہی

(۱۲۴)

خود بادہ یہاں جام بجام آیا ہی — میخانہ لیئے گام بہ گام آیا ہی
اِس دور کے پیاسوں کو بتا دے گویا — انعامِ ازل نام بنام آیا ہے

(۱۲۵)

پہچان تری صرف وفائے ساقی — نظروں سے ٹپکتی ہی ضیائے ساقی
پھر جوش میں آئے نہ کرم ناممکن — تجھ میں ہو اگر کوئی ادائے ساقی

(۱۲۶)

پھر بندۂ در واقفِ فرماں ہو جا — کچھ اور نہیں صرف مسلماں ہو جا
پھر دونو جہاں تیرے خدا شاہد ہے — پھر خاکِ رہِ بوذرؓ و سلماںؓ ہو جا

(۱۲۷)

افسوس مسلماں بھی مسلمان نہ ہو — گوہر میں بھی گوہر کی کوئی شان نہ ہو
اللہ مسلماں کا مسلماں ہونا — دشوار نہ ہو جائے جو آسان نہ ہو

(۱۲۸)

انساں کا ہے دین حقیقی اسلام　　شاہد مرا گویا ہی خدا کا پیغام
ہوں معتقدِ مذہبِ فطرت دل سے　　خود ساختہ راہوں کو مرا جھک کے سلام

(۱۲۹)

انساں ہو اگر اسیرِ پستی کیا ہے　　ہستی کی تڑپ نہ ہو تو ہستی کیا ہے
تو بعدِ عبادت بھی ہی غیروں کا غلام　　ناداں تری خدا پرستی کیا ہے

(۱۳۰)

بنتے ہیں جہاں روز ہی تقدیروں کے　　احساس بدلتے نہیں دلگیروں کے
عہدِ حیف کہیں سے کہیں دنیا پہونچی　　دیوانے گرفتار ہیں زنجیروں کے

(۱۳۱)

حد سے دلِ مسلم کا گزرنا یہ تھا　　توحید کے مرکز کا بکھرنا یہ تھا
ہر در پہ جبیں سا ہے ہزاروں رب ہیں　　اللہ کی غیرت سے نہ ڈرنا یہ تھا

(۱۳۲)

پھر اپنی ہی منزل میں مسلماں آجا　　رحمت ہی بڑی بادلِ گریاں آجا
اُس در پہ ہی اِک اشکِ ندامت کافی　　پھر دیکھ کہ کیا ہوتے ہیں ساماں آجا

(۱۳۳)

دامن بنو اشکوں کا کنارا ہو جاؤ	راتوں کے لئے صبح کا تارا ہو جاؤ
تعمیرِ چمن کام تو ایثار کا ہے	ہر ٹوٹے ہوئے دل کا سہارا ہو جاؤ

(۱۳۴)

قربانی و توحید میں نسبت ہے عجب	اللہ سے بندے کو محبت ہی عجب
اِس سمت حسینؓ اور ادھر اسمٰعیل	شاداں تہِ خنجر ہیں یہ نسبت ہے عجب

(۱۳۵)

توحید دو عالم کو تصدق کرنا	توحید بس اُس کے لئے جینا مرنا
ہر دل کی یہی شان اگر ہو جائے	کہتے ہیں کسے غیرِ خدا سے ڈرنا

(۱۳۶)

توحید بنا، سعیٔ مسلسل ہی جہاد	قربانیٔ دائم ہی مکمّل ہی جہاد
آ جائے جو ہر فرد کو قرباں ہونا	تو یہ کھلے کیوں جان سے افضل ہے جہاد

(۱۳۷)

تولازم و ملزوم سمجھ جان و عمل	گوہر بصدف، جوہر عرفان و عمل
خورشید سے ہو سکتی نہیں صبح جدا	قرآن کا پیغام ہی ایمان و عمل

(۱۳۸)

جس دل میں ہے ذرات ضیا اُس میں کہاں
جو دل نہ ہو خود فہم خدا اُس میں کہاں
جس شخص کی نظروں میں ہو اپنا ہنر
گنجایش تعلیم سما اُس میں کہاں

(۱۳۹)

توفیق عمل مانگے ہر اِک ذرّہ دل
کچھ دور نہیں دل کی تڑپ سے منزل
ہو بندۂ ناچیز کی مقبول دعا
یارب ترے در پہ ہی جبینِ سائل

(۱۴۰)

ہے بے پر و بالی ہی میں پرواز کا راز
جاتی ہی سرِ عرش صدائے بے ساز
اُس در پہ کبھی سر تو جھکا کر دیکھو
پروازِ حیات ہی، حیاتِ پرواز

ساقی

(۱۴۱)

ساقی تری بخشش کا نیا طور سہی
ہر دور کے بعد ایک نیا دور سہی
دنیا نئی، میکش نئے، میخانہ نیا
اِک محرمِ اسرار بنا اور سہی

(۱۴۲)

لاکھ آئیں نظر بھول بھلیوں کے جہاں
بھولیں رہِ آغازِ نہ ہستی کے نشاں
وہ قربِ کے انوار عطا ہوں ساقی
ہر دل میں جو روشن کریں شمعِ عرفاں

(۱۴۳)

دریا بھی کہیں پیاسوں سے کم ہوتا ہی
عالم سر یک موج کرم ہوتا ہی
کیوں مانگوں نہ تجھ سے وہ سمندر ساقی
ہر موج کا جو شریکِ غم ہوتا ہی۔

دعا

(۱۴۴)

اسلاف کا وہ جام دلوں کو ہو عطا
جس میں تھی منوّر رخ اقدس کی ضیا
بن جائیں گے پھر بگڑے ہوئے کام سبھی
ہی ساری دعاؤں کا خلاصہ یہ دعا

(۱۴۵)

جو ابرِ کرم صدف کو گوہر بخشے
گوہر کو جو بے طلب کے جوہر بخشے
رحمت سے نہیں بعید اُس کی گویا
جس قطرہ کو چاہے سو سمندر کر دے

بفضلہ تاریخ اتمام

(۱۴۶)

قرآن کی تفسیر ہی خود ذاتِ رسول
ایمان میں انوارِ ہدایاتِ رسول
پیغام، اشاراتِ معنیٰ گویا
تاریخ، معانی اشاراتِ رسول
۱۳ھ ۷،

اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضْ

(قرآنِ پاک)

اشراق

(رباعی نما قطعات کا مجموعہ)

گویا جہان آبادی

انتساب

مئے خلوص سے لبریز ہے گدا کا جام
یہ انتساب ہے اللہ کے نیاز کے نام[1]

عجب نہیں ہے کہ ذرّہ نوازیاں اُن کی
عطا کریں مرے اشکوں کو وہ جمالِ دوام

کہ جن سے سینۂ ملّت میں سوز بھر جائیں
نظر کے سامنے آجائیں پھر جبیں کے مقام

دلوں میں زندگیاں اُن کے پاک قدموں سے
نجوم راہِ ہدیٰ تا ابد نقوشِ خرام

خزاں دلوں کی پھر اُن کی بہار سے بدلے
کہ جن کے نام سے سرسبز گلشنِ اسلام

اُجالا سینوں میں اُن کے رخِ منوّر سے
حبیبِ رحمتِ دارین و تاجدارِ انام

بڑی امید سے حاضر ہوا ہے در پہ گدا
ہر اشکِ درد ہے اک ہدیہ صلوٰت و سلام
صلے اللہ علیٰ حبیبہ محمدٍ و آلہ وسلم

[1] سراج السالکین، قطب العارفین مقبولِ بارگاہِ احد حضرت شاہ نیاز محمد صاحب نیازِ بے نیاز بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

اشراق، پیامِ مشرق ہے — یہ دور میں جامِ مشرق ہے
ہر شام کے بعد اہلِ مشرق! — پیغام بنامِ مشرق ہے

(۲)

کون آیا کیوں چراغِ سحر جھلملا گئے — سب جن کے منتظر تھے یقیناً وہ آگئے
کون و مکاں میں مطلعِ مشرق سے آفتاب — وہ آکے نورِ ذات کے معنیٰ بتا گئے

(۳)

مدت سے ناتمام تھی تفسیرِ زندگی — کب سے تھی انتظار میں تقدیرِ زندگی
قدسوں کی منتظر تھیں دلوں کی بلندیاں — گزری جہانِ عرش سے تعمیرِ زندگی

(۴)

صدیقؓ نورِ صدق ہیں، فاروقؓ شانِ عدل — عثمانؓ ہیں خلوص، علیؓ بابِ معرفت
چھائے ہوئے ہیں نورِ رسالت کے چارسو — صد شکر ہو گئی مری مقبول منقبت

(۵)

نورِ چشمِ مصطفےٰ آئینۂ توحید ہیں | دونوں جانب نور کے انوار، بہرِ دید ہیں
ایک کاندھے پر حسنؓ ہیں ایک کاندھے پر حسین | چاند کے دونوں ستارے مطلعِ خورشید ہیں

صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۶)

جن سے ہی اسلام زندہ اللہ اللہ وہ حسینؓ | تا ابد پیغام زندہ اللہ اللہ وہ حسینؓ
غیرِ فانی شانِ قربانی بنائے لا اِلٰہ | کام زندہ نام زندہ اللہ اللہ وہ حسینؓ

(۷)

دل تجلی گاہ بن کر آدمی کا دل بنا | اِس قدر پھیلا کہ دامانِ سرِ ساحل بنا
وسعتِ دنیائے امکاں اللہ اللہ کچھ نہ پوچھ | آنکھ سے جو اشک ٹپکا اخترِ منزل بنا

(۸)

غنچۂ گل کا تبسم سوزِ شبنم بن گیا | سوزِ شبنم مسکرا کے غم کا عالم بن گیا
دائرہ بھی دل کا ہی گویا عجب انداز کا | حد سے جب گزرا سمٹ کر رازِ مبہم بن گیا

(۹)

ہر تجلی کہتی ہے پچھلی تجلی بھول جا | ہر نظر کے بعد آتا ہے نظر عالم نیا
دیکھتا کیا ہے دلِ حیرت زدہ سوئے جمال | انتہا کیسی کہ یہ تو ابتدا ہے ابتدا

(۱۰)

ہر دھڑک کہتی ہے دل کی لیجئے وہ آ گئے — منظرِ عالم پر اکثر اشکِ دل کے چھا گئے
ہو گئی معلوم ہستی کی حقیقت کتنی ہے — صرف موجِ آرزو ہے، مدعا ہم پا گئے

(۱۱)

گزرتی ہوئی شب وہ کہسار سے — کدھر اے نگاہ غریب الوطن؟
تجھے ہر طرف ہے یہ کس کی تلاش — ازل سے یہاں ہے نئی انجمن

(۱۲)

علی الصباح نہ پوچھو نصیب دیدہ وری — خود اُن کی یاد میں جب دل نے آہ سرد بھری
حجاب اُٹھ گئے وہ سامنے نظر کے تھے — جھلک گیا سرِ مژگاں ستارۂ سحری

(۱۳)

نہ میں ہے نہ تو ہے دمِ ساز میں — ہے پردوں ہی کا راز آواز میں
کہاں سے ہے یہ سلسلہ غور کر — ہے گم ہر صدا اپنے آغاز میں

(۱۴)

کلی میں کھلی مسکرا کر کرن — دکھائی دیا رنگ و بو کا چمن
یہی شانِ تخلیق کی ہے مثال — ادھر اِک کرن اور اُدھر انجمن

---

(۱۵)

ممولوں سے کیا داستانِ عقاب — دلوں نہ کھائیں کہیں پیچ و تاب
مناسب ہی لائق سمجھ کے کلام — سب آنکھیں نہیں روکشِ آفتاب

(۱۶)

کثیر جہل ہے اور علم صرف اِک نکتہ — مراد جس سے ہی اے اہلِ راز نکتۂ ذات
جو ہر قدم پہ حدِ ماسوی سے آگے بڑھے — وہ موجِ نفی سے پاتی ہی گوہرِ اثبات

(۱۷)

جو دور ہی نظر سے وہ دل سے قریب ہے — گویا یہ قرب بعد کا نکتہ عجیب ہے
محرومِ دید رہتا نہیں ہی غمِ طلب — ہر اشکِ بیقرار فدائے حبیب ہے

(۱۸)

رہِ ہستی میں راہی ایک منزل وہ بھی آتی ہی — حواس و عقل کی دنیا جہاں گم خود کو پاتی ہی
مگر ہے کام مردوں کا وہاں ثابت قدم رہنا — بشارت صابروں کے حق میں رب کی پائی جاتی ہی

(۱۹)

زندگی رہتی نہیں ہی نفسِ مردہ میں — ہر دمِ تازہ میں تدبیر بھی تقدیر بھی ہی
غم کی کڑیوں کو زمانے سے ملانے والے! — دستِ پوشیدہ سرِ آخر زنجیر بھی ہے

(۲۰)

رزق تیرا آسماں میں آسمانی رزق ہی
وعدہ ہی تجھ سے مگر درکار ہی سعیٔ بلند
آدمیّت کا اگر مطلوب ہو تجھ کو فروغ
ماہ و انجم کو بنا بامِ تعارف کی کمند

(۲۱)

رسم بن جاتے ہیں جب کامِ فا کے گویا
رخ بدل جاتے ہیں خود دستِ دعا کے گویا
بت و بتخانہ نگاہوں میں ہیں سر سجدے میں
اس پہ دعویٰ ہی کہ قائل ہیں خدا کے گویا

(۲۲)

میکش وہ ہی جو بادہ نظاروں سے کھینچ لے
مہتاب کے خموش اشاروں سے کھینچ لے
ہیں حیرتِ جمال میں کھوئے ہوئے نجوم
نقشہ اُس انجمن کا ستاروں سے کھینچ لے

(۲۳)

مسکرا کے صبح مجھ سے ایک غنچے نے کہا
کہہ تو کچھ معلوم ہی تجھکو مرا نام اور پتا
میں یہ بولا ایک غنچہ تو اسی گلشن کا ہی
دیکھ کر میری طرف وہ کیوں نجانے ہنس دیا

(۲۴)

بنا ہی دردِ تمنا دلِ بشر کے لئے
جگہ ہے ذرّہ دل میں جہان بھر کے لئے
جمال سامنے آنکھوں کے ہیں بقدرِ حجاب
ہزار پردے ہیں ہر سوز غم نظر کے لئے

(۲۵)

دامن کے چاک بھی تو ثبوتِ بہار ہیں
کیا خود بخود یہ اہلِ نظر تار تار ہیں
تو دیکھتا ہے میرا جنوں، میرا دل انھیں
وجہِ نگاہ ایک ہے دو اعتبار ہیں

(۲۶)

نہ دیکھا تو نے کہ راتوں کو ٹوٹ کر تارے
ہمیشہ کرتے ہیں ردِّ منجمانِ شوم[1]
شکست و ریخت ہے خود جن کی ذات میں جاری
وہ کیا بتائیں گے انساں کی منزلِ مقسوم

(۲۷)

ہے عجب ہی نیاز دیدۂ نم
سرِ مژگاں ہیں اشک، پلکیں خم
کون لے جائے یہ سلامِ گدا
چار جانب کو دیکھتے ہیں ہم

(۲۸)

باقی نہیں ہے خلق انکار کی جگہ
منکر کی عقل گم ہے خود اقرار کی جگہ
ثابت ہے خود یہ خیرگیِ چشمِ غیر سے
انوار کی جگہ ہے یہ انوار کی جگہ

(۲۹)

جس دل میں وہ ہیں اُن کی طلب ابھی میں ہے
نظّارہ دوریوں میں عجب بیخودی میں ہے
سالک نہ پوچھ قرب کی منزل کہاں ہے تو
خوش جس جگہ بھی غم ہی انھیں کی خوشی میں ہے

[1] ردّ اور رجم کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے، شیاطین جب غیب کی خبریں سننے کے لئے آسمانوں کی طرف جاتے ہیں تو فرشتے انھیں رجم کرتے ہیں

(۳۰)

غم اُگئے کہاں سے جولائے نہیں ہیں وہ
یہ کون کہہ رہا ہے کہ آئے نہیں ہیں وہ
شوقِ نگاہ، حسرتِ دل، دیدِ شش جہت
کیا ہر طرف جہان کے چھائے نہیں ہیں وہ

(۳۱)

بے وجہ حشر گاہ نہیں بزمِ کائنات
ہے وجہِ انقلاب مسلسل کوئی تو بات
ہر شکلِ کائنات میں مستی ہے بیقرار
روزِ ازل سے بار ہے قیدِ تعینات

(۳۲)

نہیں یہ بات کہ خود اپنا اعتبار نہیں
مگر غموں پہ نگاہوں کے اعتبار نہیں
جدھر بھی دیکھئے غم سامنے نگاہوں کے
کدھر کھلی ہوئی اک راہِ انتظار نہیں

(۳۳)

آدمی سے کہہ رہا ہے حشرِ عالم بالیقیں
مدعا تخلیق کا تخلیق کی حد تک نہیں
اپنی نظریں سرحدِ تعمیر سے آگے بڑھا
سامنے اللہ کے جھک جائے گی تیری جبیں

(۳۴)

بن مسلماں سیرتِ محبوب کو ہرگز نہ بھول
مسکرا کے پھر گئے تھے وہ دشمنوں کے دل جن کا ملول
ہو گئے پتھر بھی پانی دیکھ کے وہ شانِ خلق
فاتحِ کون و مکاں ہے اُسوۂ پاکِ رسول

(۳۵)

جس قدر اسلام ہی سرمایہ داری کے خلاف
اُس سے بھی بڑھ کر ہی ظلم و فتنہ کاری کے خلاف
چاہیئے مخلوق میں تقسیم دولت چاہیئے
یہ نہ ہو تقسیم لیکن حکمِ باری کے خلاف

(۳۶)

دماغ عرش پہ دولت کا گل چراغ غریب
کہیں اندھیروں میں ملتا نہیں سراغِ غریب
لہو کی بوندیں ہیں آنکھوں میں دل میں غم کی بہار
اسی کا نام ہے دنیا میں سبز باغِ غریب

(۳۷)

حکومتیں ہیں فریبوں کی سادہ لوحوں پر
وہ شمعِ قصرِ حکومت، غریب خاک بسر
مجال ہے کہ کوئی سانس لے خلاف اُن کے
پرستش اپنی کراتے ہیں خلق سے بت گر

(۳۸)

جہالتوں کو الٰہی بدل بصیرت سے
بہت ہی دور ابھی انسان آدمیت سے
دعا قبول ہوئی دل نے یہ سنا گویا
بڑھائی جاتی ہیں بیدادیاں قیامت سے

(۳۹)

وہ یقیں کیا جو یہ سوچے فضل مولیٰ ہو نہ ہو
وہ دعا کیا جس میں یہ غم ہو پذیرا ہو نہ ہو
بخشنے والا پاس ہی کامل یقیں پیدا کرو
دن بنا لو رات کو یہ کیا سویرا ہو نہ ہو

(۴۰)

ساقیِ میخانہ ہیں دریا ہی اُن کے ہاتھ میں
ہر نظامِ ساغر و مینا ہی اُن کے ہاتھ میں
کام لے گر صبر سے کچھ دو مجبر دے کا ثبوت
اے فقیر و تاجِ استغنا ہی اُن کے ہاتھ میں

(۴۱)

دور ہونا یاس سے ہی اولیں شرطِ طلب
ساتھ امیدِ فراواں کے ہی بے حد فضلِ رب
رازِ توحید و توکل ایک ہی نکتہ میں ہے
خالقِ اسباب کو سمجھو نہ پابندِ سبب

(۴۲)

قصۂ ابلیس و آدم صرف افسانہ نہیں
دل ترا اُس شمع کے جلووں کا پروانہ نہیں
مردِ ناداں سامنے اس راز کی تفسیر ہے
بے لحاظِ نور و ظلمت دل جلوخانہ نہیں

(۴۳)

چھا کر فضا پہ جلوے جو دامن جھٹک گئے
دیوانے عقل و فہم کے رستا بھٹک گئے
اُمنڈی بہار چاروں طرف سے کچھ اس قدر
پھولوں کے التفات سے کانٹے کھٹک گئے

(۴۴)

تکمیلِ گلستاں ہونا ہی زخموں کو خنداں ہونا ہی
اشکوں کو فروزاں ہونا ہے جلووں کو خراماں ہونا ہی
اے ہمدمِ عالم دنیا میں یہ حشر و قیامت کیسے ذکر
اک روز تو اپنے معنوں میں انسان کو انساں ہونا ہی

(۴۵)

جبینِ گدا ہے سرِ آستاں
مسلسل ہیں آنکھوں سے آنسو رواں

دعا مانگتا ہوں الٰہی قبول
پہونچ جائے منزل کو پھر کارواں

(۴۶)

چمن اپنا ہو گل اپنے ہوں یارب آشیاں اپنا
تمنا ہی کہ تو اپنا ہو پھر کون و مکاں اپنا

دعا مقبول یارب پھر عنول کو یاد آتا ہے
وہ روشن کارواں اپنا، وہ ماہ کارواں اپنا

(۴۷)

حمدِ بے حد محال ہے گویا
سجدے ہی میں بچشمِ نم گر جائے

حمد کی ابتدا وہاں سے ہے
خود جہاں ہاتھ سے قلم گر جائے

(۴۸)

خدا اپنا خدائے مصطفٰے ہے
تعارف رحمتِ بے انتہا ہے

شہودِ رحمۃ اللعالمیں ہیں
جمالِ معرفت کیا پوچھتا ہے

(۴۹)

رمزِ توحید اہم پہچان لے
قافلے کو قافلہ پھر مان لے

روحِ ملت رشتۂ افراد ہے
بن موحد ایک ہو، نجان لے

---

(۵۰)

عشق آسان ہی دنیا میں وفا مشکل ہے
ہمت منزل تسلیم و رضا مشکل ہے
آسماں سر پہ غم دل میں اٹھانا آسان
اُف نہ کرنا تہِ شمشیر بڑا مشکل ہے

(۵۱)

بچے بچے کا دہن خشک زباں شاکر رب
بحر تو ساقیٔ کوثر کا گھرانا دیکھا
مشک بھر کے بھی تو عباس رہے تشنہ کام
عین دریا میں سمندر ہی کو پیاسا دیکھا

(۵۲)

بڑی امید سے انسان یہاں آتا ہی
سینے میں لاکھ چھپائے ہوئے غم لاتا ہی
آخری وقت نظر آتا ہی کیا جانے اُدھر
بند آنکھیں کئے دنیا سے چلا جاتا ہی

(۵۳)

موجوں کے پیچ و تاب بدل دیتے ہیں فضا
سینوں کے التہاب بدل دیتے ہیں فضا
دنیا نہیں بدلتی ہی باہر کی سمت سے
اندر کے انقلاب بدل دیتے ہیں فضا

(۵۴)

جو صرف سجدوں سے مل جاتی منزل مقصود
نہ رہتا فرق نمازی میں اور غازی میں
علیؑ ولی ہی کے ہاتھوں میں ذو الفقار بھی تھی
جہاد لازمی ہی مسلک حجازی میں

(۵۵)

جہادِ نفس کی خاطر نہ بہرِ مال و زر — جہاد حرصِ حکومت، نہ طمعِ لعل و گہر
جہادِ خلقِ خدا کی پناہ رحمت ہے — خلاف ظلمت و ظلم ایک کوشش اکبر

(۵۶)

جہاد غلبۂ حق کے لئے ضروری ہے — سکوں حیات نہیں ہے، زندگی سے دوری ہے
جھکا نہ ظلمتِ باطل کے آگے مومن سر — حسینؓ کا یہ مکمل پیامِ نوری ہے

(۵۷)

نقوشِ رفتہ کو کر یاد دیکھ کر تربت — مگر نہ دفن سمجھ اس میں زندگی کوئی
شعاعِ نور کبھی خاک میں نہیں ملتی — کبھی بھی ضائع نہیں جاتی بندگی کوئی

(۵۸)

اڑایا لاکھ فنا نے غبارِ پروانہ — ملا نہ خاک میں لیکن شرارِ پروانہ
مری حیات کا مجھ سے کوئی ثبوت نہ مانگ — وہ شمعِ بزم ہی خود رازدارِ پروانہ

(۵۹)

گدا کی قبر کا باقی اگر رہے گا نشاں — سرہانے اس کے نظر آئیگا یہی کتبہ
مجھے نہ ڈھونڈھ تو اس درمیانی منزل میں — ادھر کو دیکھ نظر سے ذرا حجاب اٹھا

(۶۰)

غمِ جنون و خرد میں فقط ہی فرق اتنا
جنون تیرے لئے ہی خرد جہاں کے لئے

نہیں ہی راہ کو منزل سے کوئی بھی نسبت
کہ یہ نشاں کے لئے ہی وہ بے نشاں کے لئے

(۶۱)

بغیرِ عشق نہ ہو علم اگر حجابِ عظیم
خدا کو مان کے ابلیس کیوں مکر جائے

یہی بتاتا ہی موجوں کو اک حبابِ بحر
جو اُس سامنے جائے بچشم تر جائے

(۶۲)

دسمبر ۱۹۳۴ء

میں یہ قطعہ معرض فکر میں آیا

بہت نزدیک ہی ہی وہ زمانہ
لڑیں گے جب بہم یاجوج و دجال[1]

بدل جائے گی دنیا بعد کو خود
سنا کر ایک حشرِ عام کا حال

(۶۳)

ہر نمازی نہیں زین العباد علیہ السلام
وجہِ تخصیص حال و قال نہیں

یہ مقاماتِ قرب ہیں وہ ہی
جو اذاں دے لے وہ بلال نہیں

[1] یاجوج ماجوج سے وہ قوم مراد ہے جو سائبیریا کے آس پاس کے علاقہ میں آباد ہی (بحوالہ تاریخ ابن خلدون و موضح القرآن شاہ عبدالقادر صاحب) (۲) دجّال، انتہائی مکار۔

(۶۴)

واپس آئے جو مدینے کو بہت دن میں بلال | اور کاشانۂ محبوب کو سونا دیکھا
ہو گئے بانگ میں گم نامِ محمد لے کر | جب ادھر پایا نہ دیدار ادھر جا دیکھا

صلے اللہ علیہ وسلم

(۶۵)

رقص میں ہیں وہاں نجوم اب تک | جس جگہ زیست مسکرائی ہے
اور جو کچھ دکھائی ہے دیتا | سب نگاہوں کی نارسائی ہے

(۶۶)

کچھ جھلمل جھلمل تارے سے موجوں میں پائے جاتے ہیں
طوفان و تلاطم دریا کے خود جن کو بہائے جاتے ہیں
یہ صرف تمہارے جلووں ہی کی روشنیاں ہیں اشکوں میں
جو آنسو ساحل کی صورت دنیا کو دکھائے جاتے ہیں

(۶۷)

جسے غیر سے بے نیازی نہیں ہے | وہ روباہ ہے شیر حجازی نہیں ہے
نہ دھوکے میں آجانا اے مردِ مسلم | نمازیٔ کوفہ نمازی نہیں ہے

(۶۸)

جمالِ آرزو اک موجِ دریا   مسلسل آنکھ سے آنسو رواں کر
دلِ گویا تو کیسا نکتہ رس ہے   کبھی تو غم کو اپنے شادماں کر

(۶۹)

شہابِ مہتاب سے اپنی ضیا لے   رہینِ غیر تو، نامِ خدا لے
سرِ افلاک ہیں تیرے نشانات   مہ و انجم سے اپنا راستا لے

(۷۰)

تہِ خنجر جہاں تو شاد آیا   سرِ فردوس تیرا رنگ چھایا
اُدھر جب دیکھ کر دیکھا اِدھر کو   پتا تو نے زمانے کا نہ پایا

(۷۱)

ہے تیرے سامنے تیرا مقدر   وہ اُن کا آستاں ہے وہ سرِ در
زمانے کی شکایت اور مسلماں   تنک آبی کا غم اور موجِ کوثر

(۷۲)

ترا تارِ نظر پا کر سحر نے   سجایا نور سے اپنا گریباں
ستاروں کی نگاہیں دیکھتی ہیں   جہاں میں شام تیری اے مسلماں

(۷۳)

نصیب دشمناں تو وہ نہیں ہے
نظر تیری کہیں ہی تو کہیں ہی
جو ہیں سجدے ترے پہلے سے سجدے
جبیں کیوں تیری بے حسن یقیں ہی

(۷۴)

شرار زیست اور دامن کے نیچے
چراغ طور اور ایمن کے نیچے
ترقی ہی عجب معکوس تیری
چمن خاکستر گلشن کے نیچے!!

(۷۵)

نجوم صبح تیری جستجو میں
مگر تو گم ہے خواب رنگ و بو میں
رخ احمد کا ہی جس میں اجالا
وہ مے باقی نہیں تیرے سبو میں

صلے اللہ علیہ وسلم

(۷۶)

چراغ لالہ کیا جانے کہاں ہی
چمن کا پھول آتش بجاں ہی
لگی ہی آگ گلشن میں خبر لے
نجانے تو دل ناداں کہاں ہی

(۷۷)

نشیمن کا تخیل تنگیٔ دل
نہیں پرواز کی کوئی بھی منزل
مسلسل جستجو ہی جستجو ہی
نہ دریا ہی، نہ کشتی ہی نہ ساحل

(۷۸)

جہاں تک گفتگو ہی گفتگو ہے — حقیقی معرفت خاموش ہو ہے
شناسائی کی صد ہا منزلیں ہیں — وہاں سے دور جبیں جا تک بھی تو ہی

(۷۹)

کہا شبنم نے گل سے مسکرا کر — ستارہ میری قسمت کا منوّر
مرے سینے میں خورشیدِ سحر ہے — کہا گل نے کہ ہنس لے اور دم بھر

(۸۰)

دو عالم سے غمِ دل ماوری ہی — غمِ تنہا میں بس تنہا خدا ہی
خدا جانے کہاں تک ہی مسلسل — جو سر سجدے میں اس در پہ جھکا ہی

(۸۱)

خودی کے پھیر میں بندہ نہیں ہے — یہ قطرہ خود بخود دریا نہیں ہے
نظر ہے صرف ساقی کی عطا پر — وجود اپنا، وجود اپنا نہیں ہے

(۸۲)

شعاعِ نور کی معراج نوری — جبیں سائی ہی بندہ کی حضوری
خدا جانے کہاں ہی بندہ در — ہی عالم اور نزدیکی نہ دوری

(۸۳)

دلِ انساں میں ہستی کا گھر ہے　　جو قدر اپنی کرے اہل نظر ہے
نہیں ہی قدرِ ہستی خود پرستی　　مکمّل عبد ہی خیر البشر ہے

(۸۴)

انا انسان میں آیا کہاں سے　　یہ موتی خاک نے پایا کہاں سے
یہ ساقی کے قدم کا فیض ہی ہے　　خودی میں آپ کو لایا کہاں سے

(۸۵)

مسلماں خود فروشی سے حذر کر　　برائے نذرِ دنیا اور یہ گوہر
رہے گا آپ کو کھو کر کہاں تو　　ہی اصلِ خود شناسی تیرا جوہر

(۸۶)

کہا ساقی نے کب تک مدرسے میں　　دلِ میکش کہاں ہی تو ادھر دیکھ
کہاں کرتا ہی افشا رازِ مینا　　اشارے کو سمجھ میری نظر دیکھ

(۸۷)

گھٹا اٹھی بہار آئی نظر خیز　　کہاں ہی وہ مرا اشکِ سحر خیز
تجھے جس کے سامنے مدّھم ستارے　　اسے پھر ڈھونڈھ آ سوز جگر خیز

(۸۸)

نظامِ انجم و مہتاب کیا ہے　　مئے دنیا کا ہی رقصِ مسلسل
شریکِ میکدہ ہی کون یارب　　کہ ہی ساری فضا کیفِ مکمّل

(۸۹)

ستارے بھی شبِ مہتاب میں ہیں　　نظارے بھی شبِ مہتاب میں ہیں
پہونچنا چاہے تو پیدا نظر کر　　اشارے بھی شبِ مہتاب میں ہیں

(۹۰)

مرے نغمے فلک پر ہیں اُنھیں سے　　مہ و پرویں سے بہتر ہیں اُنھیں سے
ستاروں کی طرف کس کی ہیں نظریں　　مری آنکھیں منوّر ہیں اُنھیں سے

(۹۱)

حدِ تابندگی دیکھی نہیں تھی　　مکمّل بندگی دیکھی نہیں تھی
اُنھیں دیکھا تو دنیا کہہ اُٹھی خود　　کہ ایسی زندگی دیکھی نہیں تھی

(۹۲)

فراق بے نہایت زندگانی　　ازل سے موجِ غم کی جاودانی
مسلسل ہی فضائے جستجو میں　　کنارہ کش نہیں ہوتی روانی

(٩٣)

گلِ مہتاب بیٹھا ہوں چھپائے — اندھیرا ہاتھ دامن کو لگائے
نگاہوں میں تبسم ہے انھیں کا — کھلے تارے جہاں وہ مسکرائے

(٩٤)

یہ دورِ ثابت و سیار کیا ہے — زمانہ صورتِ پرکار کیا ہے
تلاشِ رازۂ عجم کے دائرہ میں — ہے ورنہ میکدہ بیکار کیا ہے

(٩٥)

جہاں میں ہمتِ ہستی ہے ہستی — اشاروں میں نئی دنیا ہے بستی
شرارِ دل ہے وہ برقِ جہانتاب — کرن جس کی ہے تاروں سے برستی

(٩٦)

جبیں افروز وہ نقشِ قدم ہے — سرِ خورشید جس کے آگے خم ہے
وجودِ بادہ کش اُن کی نظر میں — نجانے نام کس شے کا عدم ہے

(٩٧)

یہ کہتا ہے تخیل ماحصل کا — توازن ہے جہاں ذہن عمل کا
جب آنکھیں پھیر لیں ساقی نے اس سے — ہزاروں بار یہ ساغر ہے چھلکا

(٩٨)

جب انسان عالمِ دنیا میں آیا — ہر اک ذرّے کو میخانہ بنایا
بہت ڈھونڈھا نہ پایا رازِ ساقی — جو پایا تو وجود اپنا نہ پایا

(٩٩)

نہ دیکھو راستے میں دل کی جانب — نظر اُن پر، قدم منزل کی جانب
تن آسانی کی جانب نامرادی — مراد اُن کی ہی ہر مشکل کی جانب

(١٠٠)

مسلسل خامۂ قدرت رواں ہے — غمِ قسمت خدا جانے کہاں ہے
اُسی کے سامنے لوحِ جبیں رکھ — قلم میں جس کے سب کچھ بیگماں ہے

(١٠١)

جو آنسو آنکھ سے بہ کر چلا ہی — یہ اُس کا ابتدائی مرحلہ ہے
کنارے سے نہیں واقف یہ قطرہ — یہ آغوشِ طلب ہی میں پلا ہی

١٠٢

اُنھیں دیکھوں کہ دیکھوں ظرفِ داماں — بڑی امکاں سے ہے دنیائے ایماں
تماشا ہیں محالاتِ خیالی — سمجھتا ہے غمِ بے ساز و ساماں

(۱۰۳)

مقدّر جن سے روشن ہیں فضا کے
وہ کچھ تارے ہیں تیری ہی قبا کے
حذر اے ابنِ آدم، آدمی بن
کہاں ہے گرد تو خود کو بھلا کے

(۱۰۴)

عمل ہی بعد کو پہلے نظر ہے
چمن آرائی سے پہلے سحر ہے
خدا پر چاہیئے ایمان پہلے
غمِ دل پھر محیطِ بحر و بر ہے

(۱۰۵)

دو عالم اور مرا اک نغمۂ دل
سنبھلنا دونو عالم کا ہی مشکل
تہِ دل سے جو کہہ دوں لا اِلٰہ
کوئی پردہ نہیں رہ سکتا حائل

(۱۰۶)

مری فریاد سُن اللہ میرے
یہ آنسو ہیں گدا کے در پہ تیرے
کرم سے تو انھیں مقبول فرما
دکھا آنکھوں کی راتوں کو سویرے

بفضلہ تاریخِ اتمامِ اشراق

(۱۰۷)

چمکنے کو ہی مشرق کا ستارا
نمایاں ہیں نشان صبح آفاق
کہو اشراق کی تاریخ گویا
پیامِ مشرق نو زیبِ اشراق
۱۳۷۰ ھ

مثنوی

ماہ و ہالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہ و ہالہ شرحِ تفسیرِ حیات
کیا زمانہ کیا نظر کی کائنات

مرزِ مومن سرِّ آیاتِ جلیل
مانتا ہے اپنے رب کو بے دلیل

نور کی تنویر ہی ہے زندگی
راز کی تفسیر ہی ہے زندگی

نور کی توصیف نجم و ماہتاب
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

ہے گہر انسانِ کامل ذات کا
ایک دل ہی جملہ موجودات کا

مرکزِ ہالہ ہے خود اس کا قمر
ہے قریب اپنی حقیقت سے بشر

ہے تری تکمیل اُن کی راہ میں
جستجو جن کی ہے مہر و ماہ میں

ایک دن مہتاب نے دل سے کہا
مسکرا کے گردِ منزل سے کہا

نور سے نزدیک ہیں ہم بن یا ہی تو
دور سے نزدیک ہیں ہم بن یا ہی تو

کام دل [illegible] قمر
حسرتوں سے بھر گئی جامِ نظر

پائے ساقی اور اشکِ انفعال
رحمتِ کامل سے رحمت کا سوال

رحمتِ کامل کو رحم آ ہی گیا
کچھ اشارہ دردِ دل پا ہی گیا

پردہ اٹھا [illegible] گل کھلے
جلوے خود اپنے گلستاں میں ملے

چاند نکلا اور تارے چھپ گئے
لیجئے معنیٰ سمجھ میں آ گئے

ذرّہ ذرّہ شاہدِ لولاک ہے
عرش تک روشن جمالِ پاک ہے

کرتا ہے عرفاں عرفاں آدمی
خود نہیں بنتا ہے انساں آدمی

ہے تعارف کا جہاں انساں میں
تاکہ دشواری نہ ہو عرفان میں

خود شناسی میں ہے عرفانِ خدا
خود[1] ہی موجِ نورِ روئے مصطفےٰ

بے نقاب اُن کو جو دل میں پائیگا
خود شناس انساں وہ خود ہو جائیگا

جزو تو ہی اور وہ کل بے خبر
شبنم و خورشید جیسے، غور کر!

اپنے معنیٰ سوچ اگر انسان ہے
اپنی پہچان اُن کی ہی پہچان ہے

آدمیّت جتنی ہو انسان میں
ہے معاون اتنی ہی عرفان میں

تو شعاعِ نور ہے وہ نورِ ذات
آفتابِ ذات ہیں روشن صفات

اُن میں اخلاقِ الٰہی کا ظہور
اپنی کوتاہی سے تو ہی اُن سے دور

نور تھا مخفی خزانہ غیب کا
چاہا جب پردہ اٹھانا غیب کا

آپ کو لے آیا اپنے سامنے
آپ ہی کو پایا اپنے سامنے

ہے شعاعوں کی حدوں میں کائنات
یہ ہی مصرع از قبیلِ واردات

بزمِ ہستی نور کی ہے انجمن
نور کے گلبار پرتو کا چمن

[1] خود بمعنی حقیقتِ انسانیت و اصل نورِ ذاتِ انسانی ۔

حاصلِ جملہ تجلیاتِ نور　　شمعِ موجودات کا واحد ظہور
رہنمائے زندگی ہے زندگی　　اُسوۂ حسنیٰ، سراجِ بندگی
شمع کے پروانے پھر تنویر بن　　سورتِ والنجم کی تفسیر بن
آیا ہے قرآں میں ذات البروج　　ہیں ستارے زینۂ بامِ عروج
راہِ منزل اُمتی ہے ایک ہی　　پیروی کر پیروی کر پیروی
جب تو محوِ آستاں ہو جائیگا　　خود زمیں سے آسماں ہو جائیگا
یا خدا مقبول ہے یہ شرحِ نور　　دیدۂ ملت سے ہر ظلمت ہو دور
میں ترا محتاج تو میرا خدا　　سامنے تیرے ہے دامانِ گدا
اشکِ دل کچھ اور کہہ سکتے نہیں　　غیر کے آگے تو بہ سکتے نہیں
ہی کمی مجھ میں بہت کچھ شک نہیں　　رحمتِ بے حد مگر مجھ تک نہیں

اشک و مژگاں ترجمانِ زندگی
ماہ و ہالہ ارمغانِ زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مثنوی

پروانۂ جمال سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ

پروانۂ جمال تھے وہ حضرت بلالؓ
محبوبِ کردگار نے فرمایا جب وصال

تاریک تھیں مدینے کی گلیاں نگاہ میں
دل ڈھونڈھتا تھا روئے نبی راہ راہ میں

پیغامِ الفراق دیئے صبح و شام نے
شکلِ حبیب پھرتی تھی نظروں کے سامنے

آساں نہ تھی مدینے سے ہجرت بلالؓ کی
برداشت سونی گلیوں کی لیکن ملال کی

یوں ہر جگہ بلال تھے اس انجمن سے دور
طائر قفس میں رہتا ہو جیسے چمن سے دور

غم میں جہاں بھی شام ہوئی کر لیا قیام
آخر میں تھوڑے دن رہے جا کر قریبِ شام

اک شب یہ دیکھا خواب میں سرکارِ مصطفےٰ
فرماتے ہیں بلالؓ جدا ہی رہو گے کیا

ٹکڑے جگر کے ہو گئے یہ خواب دیکھ کر
تڑپے مثالِ ماہیٔ بے آب خاک پر

روتے ہوئے مدینے کی جانب چلے بلالؓ — لیکن ہر اک قدم پہ تھا دل کا عجیب حال
مسجد نگاہ میں تھی مدینہ نگاہ میں — پچھلا تمام نقشۂ منزل تھا راہ میں
مسجد میں نور بار ہیں سرکارِ مصطفےٰ — وقت آ گیا ہی ٹھیک سحر کی اذان کا
ارشاد ہو رہا ہی اذاں دیدو اب بلالؓ — کعبے کی سمت رخ ہی نگاہوں میں ہے جمال
چاروں طرف حضورؐ کے اصحاب کا ہجوم — چاروں طرف ہی چاندنی چاروں طرف نجوم
شامل انھیں ستاروں میں خود ہیں بلالؓ بھی — پروانۂ جمال بھی بزمِ جمال بھی
رستا بلال نے اسی منزل میں طے کیا — آنکھوں میں اشک درد سے دل تھا بھرا ہوا
اب سامنے نظر کے تھے مسجد کے بام و در — پہونچے بلال تا درِ اقدس بچشمِ تر
حاضر درِ حبیب پہ ہو کر کیا سلام — سرکار میں غلام نے رو کر کیا سلام
روضے کی جالیوں سے تڑپ کر لپٹ گئے — ارض و سما کے بیچ سے سب پردے ہٹ گئے
آنسو ہی واسطے تھے نیاز اور راز میں — خاموش ہچکیاں تھیں غمِ دل کے ساز میں
اہل مدینہ دوڑے جو دیکھا بلالؓ کو — لپٹا لیا گلے سے فدائے جمال کو
سب نے کہا اذان سنادو بلالؓ آج — پا کر تمھیں ہوا ہی عجب دل کا حال آج
بولے اذان کس کو سنائے بلال اب — نظروں کے سامنے ہی کہاں وہ جمالِ رب
کس کی طرف اشارہ کرے گی نظر مری — وہ شام ہی عزیز نہ وہ اب سحر مری
ڈالیں گلے میں باہیں حسنؓ اور حسینؓ نے — مجبور کر دیا اثرِ نیّرین نے

دی جو اذان نامِ محمدؐ نہ لے سکے ارض حرم پہ آپ تڑپ ہی کے گر گئے
کہرام تھا مدینے میں چاروں طرف بپا روتے تھے زار زار فدایانِ مصطفےٰ
سب عورتیں چھتوں پہ مسلسل تھیں اشکبار صحن حرم میں بچے تھے ہر سمت بیقرار

رحمت تری الٰہی فدائے جمال پر
دل کے سلام لاکھ نبی کے بلال پر

صلے اللہ علی حبیبہ محمدؐ و آلہ واصحابہ وسلم

جہاں اک معرفت کا ہی شجر وہ کہ جو اِک گلشن حمد و ثنا ہے
بہارِ نخل کا لیکن خلاصہ گل توحید ذاتِ مصطفےٰ ہی

صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم

تری نظر ہی کہاں لا الٰہ الا اللہ محیطِ کون و مکاں لا الٰہ الا اللہ
خدا گواہ رسولِ خدا محمدؐ ہیں ہوئی حرم میں اذاں لا الٰہ الا اللہ

صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم

تتمہ دورِ نو

قطعات

میخانۂ جمال ہے حسن حجاب ہی
بیٹھے ہیں ورنہ سامنے وہ بے نقاب ہی
دل کو یقین اور نگاہوں کو جستجو
یہ کیف ہیں مقدّرِ چشمِ پرآب ہی

برق چمکی، گرجے بادل، کوک اُٹھیں کوئلیں
فطرتِ شاعر کو پھر اِک وجد سا آنے لگا
اپنی ہستی پھر نظر آتی نہیں چاروں طرف
دل کی دنیا پر مسلسل پھر کوئی چھانے لگا

ایک غزل

شوقِ دیدار میں ہر اشک اگر دل ہو جائے
ہو کے حل مشکلِ دل اور بھی مشکل ہو جائے
وہ اگر پردہ اُٹھا دیں تو دل ہی دل ہو جائے
عرش تک فرش سے بس ایک ہی محفل ہو جائے

یادِ ساقی میں اگر آنکھیں جھلک دیں دامن
ذرّے ذرّے پہ گمانِ مہِ کامل ہو جائے

منزلِ شوق میں ہر سمت اُٹھیں ڈھونڈھ نظر
ایک منزل کی طلب سیکڑوں منزل ہو جائے

حسرتیں اور ہوں کچھ دل میں تو وہ بھی نہ سہی
کوئی کشتی کوئی دریا کوئی ساحل ہو جائے

سر ہو قدموں پہ ترے روح ہو مصروفِ نیاز
وہی سجدہ ہے جو شمعِ سرِ منزل ہو جائے

اتنا مایوس نہ ہو اپنی طرف سے بھی کوئی
حسرت اُس اشک پہ جو رونقِ محفل ہو جائے

وہ تو یہ کہئے نظامِ دو جہاں کا ہے خیال
حُسن اور پردۂ رخ کا متحمّل ہو جائے

دل کو ہر کوہ کے اِک در ہی بنا دے تو سہی
ہمتِ شوق کا جو چاہے مقابل ہو جائے

آنسوؤں میں تو مچلنا ہے غمِ لاحاصل
ہے یہی دل کی خوشی تو غمِ حاصل ہو جائے

محرمِ راز ہے ہر ذرّۂ بربادِ جنوں
خاک بھی اڑ کے نہ کیوں پردۂ محمل ہو جائے

اور ہوں گے کسی طوفان سے ڈرنے والے
اشک تھم جائیں تو منجدھار بھی ساحل ہو جائے

لا رہا ہے غمِ دل اُن کو نگاہوں کے قریب
دیکھیں کس پردے کی ہستی ہے جو حائل ہو جائے

درِ محبوب کہاں اور کہاں میری جبیں
اُن کے خدام کے قدموں کے تو قابل ہو جائے

طینتِ آدمِ خاکی کو دئے یوں آنسو
گِلِ نم دیدہ محبّت کے لئے دل ہو جائے

حد سے بڑھنے نہیں دیتی ہے نگاہوں کو جبیں
ہائے وہ آئینہ جو خود حدِ فاصل ہو جائے

رحمتِ عالمیاں ذرّہ نوازی اُن کی
ماہ و خورشید ہے کیا جو کوئی سائل ہو جائے

چند شعر

غمِ نظر ہی سکوت و کلام کے بھی سوا
ہیں کچھ پیام کے معنی پیام کے بھی سوا

نظر جہان کو تا حشر کیا سے کیا آیا
جہاں جہاں میں ترا دیوانہ مسکرا آیا

بجھ گئیں آنکھیں جہاں بھی اُٹھیں اُٹھا دیکھا
طالبِ دید یہ کہہ سکتا نہیں کیا دیکھا

لیسَ لِلانسان اِلّا ما سعیٰ
قسمتِ انساں میں قدرت نے لکھا

کس تبسّم نے کئے اتنے تبسّم پیدا
کب تھے افلاک کو اتنے مہ و انجم پیدا

نارسائی میں رسائی کی نہیں ہے کوئی حد
سر جھکا کے اُن کے در پہ یہ سمجھ میں آگیا

دو جدا چیزیں ہیں اب تک جسم و جاں تیرے بغیر
بیچ میں آکر ذرا حسنِ تجلّی مسکرا

ناداں اگر نہ تجھ سے ہو تیری بہار دور
خارِ چمن تو کوئی بھی خارِ نظر نہیں

کس نے پہچان لی تری آواز
ذرّہ ذرّہ ہے اک جہانِ راز

قرب کا احساس تک بھی ہے محال
راز و دل کے بیچ میں پردہ کہاں

مذہبِ عشق میں مطلق ہے حرام
بادہ جو غیر کے قدموں پہ جھکائے

ستارہ بننے والوں میں نجومِ آسماں کم ہیں
سب آنکھیں جلوۂ خورشید کی شاہد نہیں گویا

جنوں سے کام لیتے ہیں تو پورا کام لیتے ہیں
طلب رہتی نہیں ہے تا حدِ جیب و گریباں ہی
یقیں تو دلا دو کہ محفل میں ہوں میں
اگرچہ نگاہوں کی حد تک رہوں میں

جبینِ صبح کی پڑھنا پڑی شکن مجھکو — فسانہ دل کا ہی شاید شفق کی سرخی میں

ہم ترے راز کے حامل نہ سہی — بارِ احساس تو ہے بے خبری

نہیں رکھتا ہی بڑھ کر سوزِ ہستی فاصلہ باقی — محیطِ مشرق و مغرب تو اِک ادنےٰ لطافت ہے[1]

عجیب حسن کا اندازِ گلفشانی ہے — جو پھول پھینکا فضا میں وہ بن گیا اِک دل

یہ توحیدِ چمن ہی جس میں فطرت مسکراتی ہی — بہارِ دھر مل کر دانے دانے کو اگاتی ہی

بہت ہی دور سے منزل قریب ہوتی ہی — گزر جائے آپ سے کچھ رہروِ منزل

قدم قدم پہ جبیں کے مقام لاتا ہے — بڑھے ہی جائے مسلسل اگر یہ ذوقِ نیاز

ابتدا آغاز ہے یا انتہا آغاز ہے — دائرے میں غم کے ہی اس کا تعیّن بھی محال

تصوّرات کی دنیا جمال ہو جائے — خیالِ دوست اگر ہر خیال ہو جائے

جنھیں ٹھکرا گئے وہ آتے جاتے — ہُئیں شمعِ راہ تو وہ سنگریزے

مسکرا کے کہا پھول اپنے شجر کا تو ہی[2] — روح کا راز جو ساقی کی نظر سے پوچھا

جہاں تشکّرِ نیازِ جبیں ہے — کوئی تشکّر کی انتہا ہی نہیں ہے

---

[1] موجِ برق [2] پھول شجر میں کہیں باہر سے نہیں آجاتا ہے جو خود درخت ہی کی ہستی کا حاصل ہوتا ہی جو اپنے سینے میں اپنے درخت کی حیاتِ مابعد کا راز بھی چھپائے ہوئے ہوتا ہی۔ یہی مثال روح انسانی کی ہی، جس طرح پھول کے سینے میں درخت کی اگلی زندگی کا بیج ہوتا ہی اسی طرح روحِ انسانی حیاتِ موجودہ سے حیاتِ مابعد کے لئے خلاصۂ اعمال و اخلاق اخذ کر لیتی ہے ؎ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ از مکافاتِ عمل غافل مشو۔

غزل

کرن اس رُخ کی جھلک کر چمن دیدوری ہے
وہی سوزِ جگری ہے وہی نجم سحری ہے

ہوسِ ساغر و مینا، بڑی بے خبری ہے
ترے خود شیشۂ دل میں مئے انوار بھری ہے

جبیں اس در پہ جھکا کر غمِ دل بڑھتا چلا جا
غمِ منزل ہی مسلسل حدِ قربِ بشری ہے

نہ کہیں بزمِ تماشا، نہ کہیں پردۂ دنیا
تری ہی آنکھوں کے آگے تری ہی کم نظری ہے

غمِ خود دارِ محبّت، دُرِ اسرارِ محبّت
سرِ بازارِ محبّت، تری دریوزہ گری ہے

مرے ہر اشکِ مسلسل میں ہے پیغام اُنھیں کا
غمِ منزل مرا گویا رہِ پیغامبری ہے

دیگر

کچھ سے کچھ دنیا ذرا سے مسکرا جانے میں ہے
اتنا اعجازِ جنوں بھی تیرے دیوانے میں ہے

رہروِ منزل خدا جانے کس افسانے میں ہے
اک قدم گلزار میں ہے ایک ویرانے میں ہے

اللہ اللہ موج کیا پیہم بہے جانے میں ہے
اشک گم اپنی حقیقت ہی کے افسانے میں ہے

دیکھا ساقی نے نجانے سوئے محفل کس طرح
سمجھا ہر میکش کہ بادہ میرے پیمانے میں ہے

اپنے قدموں سے بنا لے راہ کے کانٹوں کو پھول
قرب کی منزل وفاؤں کے بڑھے جانے میں ہے

سوز ہی عالم میں تنہا دل رقیبِ ماسویٰ
شرم ہی دونوں میں لیکن فرق شرمانے میں ہے

جستجو میں جو ہوں آنکھیں وہ ستاروں میں رہیں
آسماں مصروفِ کن نظروں کے بہلانے میں ہے

اک نئے انداز سے ہر سانس میں ہو یادِ دوست
زندگی بھر اِس سبق کا لطف دہرانے میں ہے

کہہ رہے ہیں ہر گھڑی کے انقلابِ کائنات
حُسنِ فطرت محو ابھی تک زلف سلجھانے میں ہے

آنکھ اُٹھی، برق چمکی، لیجیئے دل آگیا
ہو اشارہ، دیر کتنی دل کے آجانے میں ہے

قطرہ قطرہ جزوِ دریا، ذرّہ ذرّہ محوِ نور
دَور ہے ساقی کا ورنہ کون میخانے میں ہے

ہے محبّت اسکا ہی فرمان آدل اوّلیں
ساری بزمِ آفرینش جس کے فرمانے میں ہے

سامنے اُن کے نہیں رہتا ہی باقی یہ سوال
شمع میں پروانہ ہے یا شمع پروانے میں ہے

ایک اشکِ دل کے آگے کچھ نہ گویا کہہ سکے
آج تک عنوان ہی عنوان افسانے میں ہے

محمد احید الدین نظامی - پرنٹر نے نظامی پریس بدایوں میں چھاپا

قطعہ

ورق ہزاروں اگرچہ کئے سپید و سیاہ — ہمیشہ آیا نظر نا تمام حرفِ غم
شرفِ قبول کا ہو عجز کو عطا یا رب — نظر ہر اشکِ گدا کی ہے سوئے شانِ کریم

بفضلہ تاریخِ اتمامِ دَورِ نَو

ہے جامِ غیبیہ دَورِ نَو — پیغامِ غیبیہ دَورِ نَو
صدقہ رسولِ پاک کا — اکرامِ غیبیہ دَورِ نَو

تاریخ دَورِ نَو عطا

الہامِ غیبیہ دَورِ نَو

۱۳۷۰ھ

الحمد للہ کہ یہ مجموعۂ دَورِ نَو کہ جس کا آغاز ۲ ؍ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ
مطابق ۲۲ ؍ اگست ۱۹۴۴ء کو ہوا تھا آج اپنی منزلِ اتمام کو پہونچا
۲۳ ؍ دسمبر ۱۹۵۰ء شنبہ ۱۲ ؍ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ
احقر العباد ضامن عفی عنہ

مصنف کی دیگر تصانیف

(نثر میں)

فلسفۂ نفس	نفسیات و نمبات میں	مطبوعہ ہندوستانی اکاڈمی الٰہ آباد
اصلِ حیات	حیاتیات میں	نظامی پریس بدایوں
فلسفۂ خودی و بیخودی	مقالہ . الٰہیات میں	رسالہ ہمایوں لاہور مئی ۱۹۳۳ء
سیدنا آدم و عیسیٰ علیہم السلام	مقالہ تاریخی و تفسیری تحقیقات میں	رسالہ مرقع لکھنؤ
اوراقِ نور	ادبِ لطیف میں چند ورق	غیر مطبوعہ
وجدان	سورۂ الحمد کے چند نکات	"
حیاتِ مابعد	الٰہیات میں	"

(نظم میں)

فغانِ صبح و مسا	مناجات	نظامی پریس بدایوں
اسرارِ ہستی	مثنوی	گلشن ابراہیم پریس لکھنؤ
صہبائے راز	مثنوی	العرش پریس بریلی
شعورِ الہام	۱۹۳۵ء تک کے کلام کا مجموعہ	الیکٹرک پریس بریلی
طلوعِ سحر	۱۹۳۶ء تک کے کلام کا مجموعہ	نظامی پریس بدایوں
اشراق	مجموعۂ قطعات رباعی	مشمولہ مجموعۂ ہذا
اشاراتِ معنیٰ	مجموعۂ رباعیات	مشمولہ مجموعۂ ہذا

بقلم شکستہ رقم ہیچ میرزا مشتاق احمد خاں منشی فاضل و عالم دبیر و رامپوری

غلط نامۂ دورِ نو

بڑے افسوس کے ساتھ قارئین کرام کو کاتب صاحب کے حسبِ ذیل سہو کتابت کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے براہ کرم مطالعہ میں زحمت گوارا فرمائیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	حاشیہ	رمضالمبارک	رمضانُ لمبارک	۴۲	۱۴	رنگیں آرزو	رنگِ آرزو	۱۸۰	رباعی ۸۶	پھر	پھرا
۵	۷	ایماں کی	ایمان کی	۴۴	۱۳	دل خود	دل میں خود	۱۸۰	" ۸۷	کہکشاں	کاہکشاں
۷	۷	گر	کر	۵۴	۲	صف	ضعف	۱۸۳	" ۹۱	غالب	غالب
۸	۴	اب مقام	اب اُس مقام	۵۴	شمارِ غزل	۵۸	۶۸	۱۹۲	" ۱۴۰	کر دے	بخشے
۸	۴	جہاں دیتے	جہاں سے دیتے	۵۴	۱۶	درہنسی	دورِ ہنسی	۱۹۷	قطعہ ۱۱	شب	دست
۹	۴	جہانِ دل	جہاں منزل کی	۵۵	شمار غزل	۵۹	۶۹	۱۹۸	"	دلوں نہ	دلوں میں نہ
۱۳	۲	نہیں کوئی	نہیں ہے کوئی	۵۵	۵	اوّل آخر	اوّل و آخر	۱۹۸	" ۱۷	قرب لبعد	قرب و بعد
۱۳	۴	کائنات اور	کائنات کا اور	۵۶	۷	جنس	جنبش	۱۹۹	" ۲۲	انجمں	انجمن
۱۶	تحت عنوان حمد پر نہیں	تری حمد	تیری حمد	۵۷	۱۴	ہوکیا	ہوگیا	۲۰۰	" ۲۸	خلق انکار	خلق میں انکار
۱۷	"	فضا میں	فضا پر	۵۹	۱۰	بیک رنگ نقاب	بیک رنگِ نقاب	۲۰۰	" ۲۹	طلب اسی	طلب میں اسی
۱۸	۶	دل نے	دل نے بھی	۸۵	۷	آماہ	آمادہ	۲۰۰	حاشیہ	انھیں رحم	انھیں ستاروں سے رحم
۱۹	۳	پردہ بھی	پردہ بھی تھا	۸۷	۹	مستنقل	مستقبل	۲۰۷	قطعہ ۶۳	دہی	وہی
۲۰	۸	جناں	جہاں	۹۵	۱	حجاب	نگاہ	۲۰۸	" ۶۷	دھوکے آجانا	دھوکے میں آجانا
۲۱	۲	نظر مضمر	نظر ہے مضمر	۹۷	۶	بیاباں	بیابان	۲۰۹	" ۶۹	شہاب	شب
۲۱	۱۲	بزمِ اوست	بزم ہمہ اوست	۱۰۴	۶	راحت	رحمت	۲۱۳	" ۸۸	مرد نیا	مے و مینا
۲۲	۳	عقل والوں کو	عقل والوں کا	۱۰۴	۱۲	بے کسوں کا	بے کسوں کی	۲۱۴	" ۹۷	ذہن عمل	ذہن و عمل
۲۳	۸	فصول	فضول	۱۱۲	۷	رحیل	رحمٰن	۲۲۰	سطر ۳	عرفاں عرفاں	عرفان عرفان
۲۳	۱۲	ہزماکے	ہزمارے کے	۱۱۴	۷	سراپا	سراپا	۲۲۰	" ۳	انساں	انسان
۲۸	۱۶	قائم	قدم ہی	۱۳۴	۴	خور	خود	۲۳۰	حاشیہ سطر ۱	جو خود	خود
۳۲	۱۴	جہاں نیاز	جہانِ نیاز	۱۳۷	۲	بڑھے	بڑھے جا	۲۳۱	سطر ۲	دیدوری	دیدہ وری
۳۵	۷	فردوس ایک	فردوس کا ایک	۱۴۹	۲	کھبرایا	گھبرایا	۲۳۱	۴	بڑی بے خبری	بڑی ہی بے خبری
۳۸	۱	ہنسی	ہنسی سے	۱۵۴	۸	اویر	اوپر	۲۳۱	۷	منزل مسلسل	منزل ہی مسلسل
۳۸	۴	لب پہ	لب پر	۱۵۵	۱۶	آپ ہی	آپ ہی	۲۳۲	۱۶	عنوان ہی کر	عنوان ہی
۴۱	۱۵	عالم	عالم میں	۱۷۱	رباعی ۴۹	گم کردہ خو	گم کردہ خود				
۴۲	۱۴	بنہا	مینا میں	۱۷۲	رباعی ۵۴	عرفان اک	عرفان ہے اک				

ملنے کا پتہ

نظامی بک ایجنسی بدایوں۔ یوپی انڈیا

قیمت ١٥/